کامل
تین حصے

احکام اسلام
عقل کی نظر میں

جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں احکام الٰہیہ کے اسرار و فلاسفی ظاہر کی گئی ہے
اور ثابت کیا ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔



حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مکتبہ عمر فاروق

احکام اسلام عقل کی نظر میں

کامل تین حصے

جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں
احکام الٰہیہ کے اسرار و فلاسفی ظاہر کی گئی ہے اور ثابت کیا
ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مکتبہ عمر فاروق
4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ..... احکام اسلام عقل کی نظر میں

مؤلف ..... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل ..... نومبر 2009ء

تعداد 1100

طابع ..... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر ..... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

021-34594144 Cell: 0334-3432345

ملنے کے پتے

دارالاشاعت ، اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ ، آرام باغ کراچی

ادارۃ الانور ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ ، سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ ، راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ العارفی ، جامعہ امدادیہ بستیانہ روڈ فیصل آباد

مکتبہ رحمانیہ ، اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید ، اردو بازار لاہور

مکتبہ علمیہ ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

وحیدی کتب خانہ ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور


اللهم صل على محمد النبي
الأمي وعلى آله وسلم تسليما

فہرست عنوانات احکام اسلام عقل کی نظر میں

عنوانات	صفحہ
المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ یعنی احکام اسلام عقل کی نظر میں	13
مقدمہ	13
باب الوضوٴ اسرار وضوٴ	16
احکام الٰہی میں وجوہ واغراض متعددہ ہونے کی حکمتیں	16
اول حکمت وضو ترک غفلت	17
دوم حکمت وضو حفظ ماتقدم	17
سوم حکمت وضو حصول حب الٰہی	17
چہارم حکمت وضو غلبہ ملکیت بر بہمیت	18
پنجم حکمت وضو ازدیاد عقل	18
ششم حکمت وضو عود نور وسرور	18
ہفتم حکمت وضو قرب ملائکہ	18
ہشتم حکمت وضو شعار الٰہی میں بطہارت داخل ہونا	18
نہم حکمت وضو عرض حال	19
دہم حکمت وضو حصول تقویت وبیداری اعضائے رئیسہ	19
اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز	20
جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیب کیوں مامور بہ ہے	21
حکمت طہارت صغریٰ وکبریٰ بطور اختصار	22
سر اور کانوں کے مسح کیلئے جدید پانی لینے کی حکمت	22
مٹی اور پانی سے طہارت مشروع ہونے کا راز	22
بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینے کا راز	23
وضو کیلئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ	23
ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کی وجہ	25
اسلام میں مسواک کرنے کی حکمت	25
وضو خدا کے نام سے شروع کرنے کا راز	26
جواب اس سوال کا کہ جبکہ منہ ہاتھ پاؤں کو تین تین بار	27
دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا مسح تین تین بار کیوں نہ	27
مشروع ہوا	27
وضو میں ہر دا ہنے عضو کو پہلے دھونے کی وجہ اور استنجاء اور	27
ناک جھاڑنے کا بائیں ہاتھ سے مخصوص ہونے کا راز	27
وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز	28
وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت	29
وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا راز	29
بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونے کا راز اور موزہ	30
کے مدام نہ ہونے کا راز	30
طہارت معنوی پر عام نظر	31
طہارت دست	31
طہارت دہن	31
طہارت بینی (ناک)	32
طہارت چہرہ	32
طہارت گردن	32
طہارت پشت	32
طہارت سینہ	33
طہارت شکم	33
طہارت شرمگاہ وران	33
طہارت قدم	33
باب التیمم	33
تیمم کو خلیفہ وضو غسل ٹھہرانے کی وجہ	33
وضو غسل کے تیمم میں فرق نہ ہونے کی وجہ	34
مٹی سے تخصیص تیمم کی وجہ	34
تیمم میں دو اندام کے مخصوص ہونے کی وجہ اور پاؤں	35
اور سر پر مسح تیمم مشروع نہ ہونے کا راز	35
باب الغسل	36
حائض وجنبی کے مسجد میں داخل نہ ہونے کی وجہ	36
جس مکان میں کتا یا جنبی یا تصویر ہو اس میں رحمت کے	36

فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ 36
کافر کے مسلمان ہونے کے وقت اس کے لئے غسل کرنے کیوجہ 37
طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ 37
جنبی وحائض کیلئے قرآن کریم اور نماز پڑھنا ناجائز ہونے کیوجہ 38
منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ اور بول وبراز سے عدم وجوب غسل کا راز 38

باب نواقض الوضؤ والتیمم 40

خروج بول وبراز وریح سے امر وضو کی وجہ 40
بول وبراز در جماع کرنے کے وقت خانہ کعبہ کی طرف پشت اور منہ کرنا منع ہونے کی حکمت 40
ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب 40
نیند سے وضو ٹوٹنے کی وجہ 41
پاخانہ جانے اور اس سے نکلنے کیوقت اعوذ وغفرانک پڑھنے کیوجہ 41
تین ڈھیلوں سے امر استنجاء کی وجہ اور گوبر وہڈیوں سے منع استنجاء کا راز 41
قہقہہ اور قے اور نکسیر سے امر وضو کا راز 43
حاجت بول وبراز کے وقت منع نماز کی وجہ 43

باب المسح علی الخفین 44

مسح موزوں کا راز 44
موزہ کی جانب مسح مشروع نہ ہونے کی وجہ 44
موزہ پر مسح مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت 44

باب المیاہ 45

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونے کی وجہ 46
قلیل پانی کی نجاست کی حکمت آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونے کی وجہ خصوصیت آب دہ در دہ 46
چوہے اور بلی کا جھوٹا پاک ہونے کی وجہ 47
کتے اور بلی کے جھوٹے میں فرق ہونے کی وجہ 47
برتن میں کتے کے منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے اس کے پاک ہونے کی حکمت 47

عبادات کیلئے اوقات مخصوص ہونے کی حکمتیں 48
وجہ تعیین اوقات پنج گانہ نماز 49
وجہ تعیین نماز ظہر 50
ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت 51
وجہ تعیین نماز عصر 51
وجہ تعیین نماز مغرب 51
وجہ تعیین نماز عشاء 52
وجہ تعیین نماز فجر 52
اوقات نماز کیلئے اول وآخر مقرر ہونے کا راز 53
پابندی اوقات کی حکمتیں 53

باب الاذان 53

حکمت اذان نماز 54
کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ 54
نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کی وجہ 54

باب صفوۃ الصلوٰۃ 54

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ 55
نماز کے لئے مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی کا راز 56
نماز کیلئے تعیین ارکان وشروط کا راز 57
حقیقت نماز 57
نماز میں ناف کے نیچے یا ناف اور سینہ کے اوپر ہاتھ 58
باندھنے کیوجہ 58
جماعت کے درمیان خالی جگہ چھوڑنے کی ممانعت کی وجہ 59
نماز میں مؤدب کھڑا ہونے کی حکمت 59
تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا راز 59
تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کیوجہ 60
نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ 60
نماز میں ادھر ادھر دیکھنا لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کیوجہ 60
نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ 61
ثناء واستفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز 61
ابتداء فاتحہ میں قرأت تسمیہ کی وجہ 61

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز 62
فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کا راز 62
حقیقت رکوع و سجود 63
نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ 63
سورۃ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت 64
پنج گانہ جماعت وجمعہ وعیدین وحج کی عبادات میں اہل اسلام کے جمع ہونے کی حکمتیں 64
نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ 64
نماز تعیین جلسہ کا راز 65
حکمت تکرار بوقت رکوع و سجود 65
ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب وعشاء وفجر میں جہری قرآن پڑھنے کی وجہ 65
جمعہ وعیدین وغیرہ میں جہری قرأت کی وجہ 66
جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرر خطبہ کی وجہ 66
نماز کی ہر دو رکعت کے درمیان التحیات مقرر ہونے کیوجہ 66
نماز میں تقرر تحیۃ کی وجہ 67
تحیۃ نماز میں آنحضرت ﷺ پر سلام مقرر ہونے کا راز 68
تحیۃ نماز میں عام مومنین وصلحاء پر سلام مقرر ہونے کی حکمت 68
حکمت اشارہ بالسبابہ 68
نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ 68
تشہد کے بعد درود دعا کی وجہ 68
سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ 69
فرضوں کے قبل اور بعد سنتیں مقرر ہونے کی وجہ 69
چارگانہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ ضم کرنے کا راز 70
جماعت نماز کی اور اس میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ 70
حقیقت تحیۃ نماز 70
جلسہ تحیۃ کے بعد درود نبویؐ پڑھنے کی حکمت 71
امامت نماز و جماعت کی حکمت 71
جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی 73
حقیقت جماعت پنج گانہ وجمعہ وعیدین وحج 74
نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز 75
نماز میں ستر ہ کا راز 75
مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ 76
غروب وطلوع واستواء آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ 77
حمام میں منع نماز کی وجہ 77
اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ 77
مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ 78
راستہ میں منع نماز کی وجہ 78
اعمال کیلئے قضاور خصت مقرر ہونے کی حکمت 78
مسافر بآرام کیلئے رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ 79
حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ 80
چاند اور سورج گرہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ 81
نماز استسقاء میں چادر کو الٹا کرنے کی حکمت 82
نماز عیدین کیلئے اذان واقامت مشروع نہ ہونے کی وجہ 83
نماز عیدین زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ 84
نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت 84
قرآن کریم کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت 84
پیغمبر خدا کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ 85
نماز سے مغفرت معاصی کا راز 85
ہر خطبہ میں امام کی جلسہ استراحت کرنے کی وجہ 85
ہر خطبہ میں تقرر تشہد کی وجہ 86
نماز میں خوفزدہ ہو کر کھڑا ہونے کی وجہ 86
حقیقت دعا و قضاء 87

باب الجنائز 87

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ 88
حکمت ماتم پرسی 88
فرض کفایہ کا راز 89
نماز جنازہ وصدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز 89
عورت کو والدین وغیرہ کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ 89
چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ 90

اہل اسلام کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت 91
مردہ کو نہلانے کی حکمت 93
مردہ کو کافور لگانے کی حکمت 94
شہید کو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ 94
نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی وجہ 95
نماز جنازہ میں امام کیلئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ 95
اختتام نماز جنازہ میں داہنے بائیں سلام پھیرنے کی حکمت 96
نماز جنازہ میں رکوع و سجود و تحیہ نہ ہونے کی وجہ 96

کتاب الزکوٰۃ 96

وجہ تسمیہ زکوٰۃ و صدقہ 97
اسرار زکوٰۃ 97
چاندی کے نصاب پانچ اوقیہ یعنی دو سو درہم مقرر ہونے کی وجہ 98
پانچ اونٹوں کی نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ 98
بکریوں کی نصاب زکوٰۃ چالیس سے شروع ہونے کی وجہ 99
بیلوں اور گایوں کی زکوٰۃ کا نصاب تیس سے شروع ہونے کی وجہ 99
زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ 99
حقیقت نصاب زکوٰۃ زراعت 99
سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ 99
سائمہ میں وجوب زکوٰۃ کی اور عوامل سے اس کے اسقاط کی وجہ 100
موالید ثلثہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت 101
خاندان نبوی کیلئے حرمت صدقات کی وجہ 101

کتاب الصوم 101

انسان کیلئے روزمرہ مقرر ہونے کی وجہ 103
ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ 104
ماہ رمضان میں ختم قرآن مسنون ہونے کی وجہ 104
تعجیل افطار روزہ و تاخیر سحر کی وجہ 105
رات کو روزہ مقرر نہ ہونے کی وجہ 105
ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کیلئے مخصوص ہونے کی وجہ 105
یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ 108
ماہ رمضان کی راتوں میں تقرر نماز تراویح کی وجہ 108
رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونے کی وجہ 109
بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے والے کا روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ 109
سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدھر بننے کی حکمت 110
ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ 110
قطب جنوبی و شمالی میں روزہ ماہ رمضان مقرر ہونے کی وجہ 111
وجہ تقرر صدقہ فطر 113
ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقہ فطر ایک صاع جو یا چھوارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونے کی وجہ 114

باب العیدین 114

تقرر عید الفطر کا راز 114
تقرر عیدین کی وجہ 115
تقرر عید قربانی کی وجہ 116
عیدین میں نماز اور خطبہ مقرر ہونے کی وجہ 116
عیدین کے دنوں میں عمدہ کھانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ 117
عیدین کی نمازوں میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ 118

باب الاضحیٰ 118

تقرر قربانی کی وجہ 118
قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا خلاف رحم نہ ہونے کی وجہ 120
ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ 121

کتاب الحج 121

حج و طواف کعبہ کی وجہ 122
دولت مندوں پر حج واجب ہونے کی وجہ 124
احرام میں صرف بے سلی دو چادروں پر کفایت کا راز 125
حجر اسود کو ہاتھ لگانے اور چومنے پر اعتراض کا جواب 125

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے 126
صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز 127
حج کیلئے خصوصیت مکہ کی وجہ 128
حج میں حلق سر کی وجہ 128
کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ 128
میقات پر احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بھید 130
عرفات میں ٹھہرنے کا راز 131
منیٰ میں اترنے کا راز 132
مشعر الحرام میں ٹھہرنے کی وجہ 133
رمی جمار کا راز 133
بطن محسر میں تیز چلنے کا راز 134
حرم کے جانوروں کا شکار نہ کرنے کی مصلحت 125
حاجی کی سواری کی عبرتیں 135
معارف چادر ہائے احرام 136
اسرار میقات و تکالیف حج 136
محرم پر جنایات کے بدلے میں کفارہ لازم ہونیکی وجہ 136
حالت احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونے کی وجہ 137
چیل۔ کوے۔ سانپ۔ چوہے۔ بھیڑیئے سگ دیوانہ کو حرم میں مارڈالنا جائز ہونے کی وجہ 137
حالت احرام حج سب وشتم وجنگ وجدال منع ہونے کی وجہ 138
برکات حج 138

کتاب النکاح

مقاصد نکاح 139
وجوہ تعدد ازدواج 140
مرد کیلئے تعدد ازدواج چار تک محدود ہونے کی وجہ 142
خلاصہ وجود تعدد ازدواج 142
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ نسبت امت کے زیادہ بیویاں کرنے کی وجہ 148
نکاح میں تعیین مہر کا راز 149
تعیین ولیمہ کی وجہ 150
نکاح میں تقرر گواہ واعلان کی وجہ 150
تعیین عقیقہ اور بچہ کا سر منڈانے کی وجہ 154
ساتویں روز تعیین عقیقہ اور نام رکھنے کا سبب 155
بچہ کے سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کرنے کا راز 156
لڑکے کا عقیقہ دو بکرے اور لڑکی کا عقیقہ ایک سے ہونے کی وجہ 157
عورت کے نکاح میں اجازت دلی کی حکمت 157
مرد پر بعض اہل قرابت عورتوں کے حرام ہونے کی وجہ 158

باب الطلاق

حکمت جواز طلاق زن 159
وہ ہدایتیں جن کی پابندی کے بعد ہر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہو سکتا ہے 161
عورت کیلئے تقرر عدت کی وجہ 161
عورت کو خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ 162
عدت طلاق ایک حیض سے زیادہ ہونے کی وجہ 162
اقسام عدت 163
عدت بیوہ کی دوسری عورتوں سے مختلف ہونے کی وجہ 163
حرمت نکاح متعہ ہونے کی وجہ 164
احادیث سے متعۃ النساء کی حرمت 165
متعۃ النساء کی تردید پر وجدانی دلیل 165
مستورات اور مردوں کیلئے اسلامی پردہ کے وجوہ 168
حیض میں عورت سے حرمت جماع کی وجہ 168
وجہ حرمت جماع حائض وحکمت لباحت وطی مستحاضہ 169
طلاق کا تین تک محدود ہونے کی وجہ 170
طلاق رجعی کا دو تک محدود ہونے کی وجہ 173
تین طلاق دینے اور پھر نکاح ثانی کے بعد پہلے مرد پر اس عورت کے حلال ہونے کی وجہ 173
ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر ہونے کی وجہ 173
وفات انبیاء کے بعد انکی عورتوں سے اوروں کو نکاح حرام ہونیکی وجہ 174

عورت جیسے ایک سے زیادہ خاوند کرنے سے ممانعت کی وجہ 183
بہشت میں مردوں کیلئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کیلئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونے کی وجہ 185
عورتوں کیلئے کیوں ایک خاوند ٹھہرایا گیا اس کی ایک اور وجہ 186

کتاب الرق

اسلامی غلامی کی فلاسفی اور اسلام سے پہلے غلامی کی حالت 187
اسلام میں غلاموں سے سلوک 189

کتاب البیوع

وجہ علت بیع سلم 203
جواز اجارہ کی حکمت 203
خمر و مردار و خنزیر و بت کی خرید و فروخت و اجرت زناو 204
اجرت کاہن حرام ہونے کی وجہ 204
کتاب الاکل والشرب 205
وجوہ حرمت خنزیر 205
جملہ درندوں اور شکاری پرندوں کے حرام ہونے کی وجہ 206
وجہ حرمت مردار کا خون 207
کوئے کے بعض اقسام چیل۔ سانپ۔ بچھو۔ چوہے کی وجہ حرمت 209
وجہ حرمت حشرات الارض ہزارپا وغیرہ 210
وجہ حرمت کتے اور بلی کی 210
وجہ حرمت گرگٹ کی اور اس کے مارنے کی تاکید شدید کا راز 211
الو و چمگادڑ کی وجہ حرمت 213
گدھے اور خچر کی حرمت کی وجہ 213
وجہ پیدائش جانوران اشیاء حرام 214
خلاصہ وجوہ حرمت حیوانات و اشیاء محرمہ 214
وجہ حرمت چھپکلی 214
حرمت میں مذبوحہ غیر اہل کتاب و مذبوح بنام غیر اللہ مردار کے برابر ہونے کی وجہ 214
جبکہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہو کر گوشت ہی بن جاتا ہے تو پھر اس کی حرمت کی کیا وجہ ہے 217
جانور کو حلق سے ذبح کرنے کی حکمت 218
وجہ حلت مچھلی و مدی فیرہ 218
شتر اور گاؤ میش اور بھیڑ اور بکری اور دنبہ کی حلت کی وجہ 219
ہرن گورخر۔ خرگوش شتر مرغ کی حلت کی وجہ 220
وجہ حلت مرغ و مرغابی و کنجشک و کبوتر و مانند آں بہشت 220
میں حلت شراب کی وجہ 220
برتن میں منہ لگا پینے سے اس کو اس میں غوطہ دیکر نکالنے کی وجہ 221
پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ 221
انسان کیلئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا 223
گوشت ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے 224
پیدا ہوتے ہیں 224
انسان میں قوت غضبیہ و حلم وغیرہ کی حکمت 224
بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز 226
غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ 227
حرمت شراب و قماربازی کی وجہ 228
حرمت سود کی وجہ 231
حرمت سود پر دلائل قویہ قرآن شریف کی وہ آیات جن 232
میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے 232
کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ 233

کتاب الجنایات والحدود 233

زانی محصن وغیرہ محصن کی سزا میں فرق کی وجہ 233
چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا کی سزا میں 234
شرم گاہ نہ کاٹنے کی وجہ 234
شراب خوری زنا لواطت سرقہ میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ 236
حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اور 237
عورت کی دبر میں جماع کرنے سے عدم کفارہ کا راز 237
قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے کی وجہ 237
شراب کا ایک قطرہ پینے سے وجوب حد اور کئی سیر بول 238
پینے و گندگی کھانے سے عدم وجوب کی وجہ 238
حکمت حدود کفارات 239
وجہ قصاص 239

حرمت قتل کی وجہ 239
حرمت سرقہ کی وجہ 239
حرمت زنا کی وجہ 240
حرمت لواطت کی وجہ 240
حد تعزیر کفارہ میں کیا فرق ہے 241
وجہ حرمت وعدہ شکنی 242
داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ 243
حقوق والدین کی حرام ہونے کی وجہ 243
شطرنج بازی۔ کبوتر۔ بٹیر بازی۔ پتنگ بازی۔ آتش بازی وغیرہ کی حرمت کی وجہ 243
مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کے ممنوع ہونے کی وجہ 244
تصویر رکھنے کی ممانعت کی وجہ 246

کتاب الفرائض 246

جائیداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونے کی وجہ 246
حقیقت تقسیم میراث 248
مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہونے کی وجہ 251
اکیلی بیٹی کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ 251
دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کی وجہ 251
میت کی اولاد ہو تو اسکے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ مقرر ہونے کی وجہ 251
میت کی اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ 252
میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کیوجہ 252
ترکہ زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف اور بشرط 253
اولاد چوتھائی حصہ اور بشرط اولاد آٹھواں حصہ ملنے کیوجہ 253
لاولد میت کے وارثوں کو کم بیش حصہ ملنے کی وجوہ 254
میت کے چچا اور اس کے اولاد کے مستحق وراثت ہونے 254
اور اس کی خالہ کے میراث سے محروم ہونے کی وجہ 254
عذاب وثواب قبر پر اعتراضات اور حضرت ابن قیم جوزی 255
رحمتہ اللہ علیہ کے ان پر فلسفیانہ جوابات 255

انسان کو قبر میں عذاب ثواب ملنے کا نمونہ 258
لحد قبر میں مردہ کے پاس فرشتہ پہنچنے کی صورت 260
ضغطۃ القبر 260
قبر کے فرشتوں اور آتش جہنم و نعمائے جنت کے نہ دکھائی دینے کی وجہ 260
عالم برزخ کے بعد ایک دوسرا عالم حشر برپا ہونے کی وجہ 261
جواب اس سوال کا کہ قبر کے سوال وجواب محدود ہیں یا غیر محدود 262
جواب اس سوال کا کہ فرشتگان قبر کے سوالات کس زبان میں ہوتے 262
قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد 262
حقیقت پل صراط آخرت 266
صراط اخروی کی فلاسفی حضرت ابن عربی کے الفاظ میں 266
حقیقت صراط مستقیم بموجب تحریر حضرت امام غزالیؒ 268
حقیقت قیامت 269
حقیقت مکافات اعمال یعنی انسان کو نیکی پر اجر ثواب اور 274
بدی کرنے پر عذاب ملنے کی وجہ 274
حقیقت بہشت دوزخ 276
جواب اس سوال کا کہ دوزخ و بہشت کا مقام کہاں ہے 276
جواب اس سوال کا کہ نعمائے جنت دنیاوی نعمتوں کی طرح ہونگے 277
قیامت میں ہاتھ پاؤں کے بولنے سے دفع تعجب 278
کیا مسلمانان عالم کیلئے سال شمسی موزوں ہو سکتا ہے 278
ضمیمہ نمبر2 283
نوٹ از احقر 287
ضمیمہ نمبر3 287
تنبیہ۔ تشبیہ 292
تہذیب المقام و تقریب المرام الی عامتہ الافہام 295
تقویت 296
توجیہ آخر 297
ضمیمہ نمبر4 297
محاسن اسلام و قرآن کے متعلق غیر قوموں کی شہادتیں 298
اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت 298
پیغمبر اسلام سے ایک جرمنی ڈاکٹر کی عقیدت 301
قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے 303
تمت 306

المصالح العقیلہ للاحکام النقیلہ

یعنی

احکام اسلام عقل کی نظر میں

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر مدعا نگار ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جنکے بعد انکے امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب ان قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اسکو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کر سکتا ہے تو کیا احکام شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہو گیا۔ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اسمیں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا ان پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہل یقین راسخ کو اسکی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کیلئے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر وعلماء مثل امام غزالی وخطابی وابن عبد السلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں

تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہو گیا ہے اور گو اسکا اصل علاج تو یہی تھا کہ انکو اس سے روکا جائے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لئے تسہیلا للطامہ و تیسرا علی العامہ بعض اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر و تقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات و تحریرات میں حدود شریعہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی، تو ان کو کافی سمجھ کر کسی نئے مجموعہ کی ضرورت نہ ہوتی مگر علوم حقہ و اتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت ان میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جسکو کسی صاحب قلم نے لکھا ہے مگر علم و عمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب ویابس وغث و سمین سے پر ہے ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے اسکو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اسکے کہ اسکا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرۃ ہے۔ اس لئے اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مبرا ہو ایسے لوگوں کیلئے مہیا کیا جاوے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اسکو دیکھ لیا کریں کہ اگر مورث منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت و وقعت کم ہو جاوے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ ان کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا انکو مقصود بالذات سمجھ کر دوسرے طریق سے انکی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے "چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے۔" سو ایسے طبائع والوں کو ہرگز اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے۔ بہر حال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ احقر نے غایت بے تعصبی سے اسمیں بہت سے مضامین کتاب مذکور بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لے

لئے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں۔ اور افہام عامہ کے قریب ہوں۔ مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں۔ نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے۔ اس مبحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں سنا ہے کہ ترجمہ اسکا بھی ہو چکا ہے مگر عوام کو اسکا مطالعہ مناسب نہیں کہ غامض زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی اعلی المدرس بالمدرستہ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اسرار الشریعۃ ہے اور جو ۱۳۲۸ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اسکے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں نئی کتابیں عربی زبان میں ہیں جن میں سے حمیدیہ کا ترجمہ اردو تو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعۃ کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب کر رہے ہیں۔ میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات میں ترقی دے گا۔ اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اس لئے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اس لئے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جائے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اسکی اصل کو کتاب و سنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اسکے بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اسکا المصالح العقیلہ للاحکام النقیلہ رکھتا ہوں حق تعالیٰ اسکو اسکے موضوع میں نافع اور ترودات و شکوک فی الاحکام کا دافع فرمادے۔ والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۳۴ھ

باب الوضوٗ

اسرار وضوٗ

طہارت کے چار مراتب ہیں۔ مرتبہ اول ظاہر کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک کرنا۔ مرتبہ دوم اعضاء کو اللہ تعالی کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچانا۔ مرتبہ سوم دل کو اخلاق مذمومہ ورزائل سے صاف کرنا۔ مرتبہ چہارم۔ اپنے ضمیر کو ماسویٰ اللہ سے صاف کرنا۔ پس جب تک انسان عقائد فاسدہ سے اپنے دل کو پاک وصاف نہ کرلے تب تک وہ ان احادیث نبویہؐ **الطھور شطر الایمان ونصف الایمان** کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایمان کو دل سے تعلق ہے پس جب تک دل خباثتوں سے پاک نہ ہو جائے تب تک طہارت نامکمل ہے۔

یہ ایمان کے مقامات ہیں اور ہر ایک مقام کا ایک طبقہ ہے جو شخص ادنیٰ طبقہ سے نہ گذرے وہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔ طہارت کے سر کو کوئی نہیں پہنچ سکتا جبتک دل کو اخلاق مذمومہ سے پاک کر کے اخلاق محمودہ سے معمور نہ کرلے اور اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اعضاء کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے پاک کر کے عبادات وطاعات الٰہی سے معمور نہ کرلے۔

جو محض اپنے اوقات عزیزہ کو استنجاؤشست وشوئے دہن ودست وپاؤ درستیٔ لباس وصفائی ظاہر وطلب آب جاری میں صرف کرتا اور اپنے باطن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا وہ وسوسۂ شیطان و مرض مالیخولیا میں مبتلا ہے بلکہ طہارت ظاہر محض صفائی باطن کی دلالت کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ شست وشوئے رو دوست وپا تحریک دل کیلئے ہے۔ ہمارے تمام ظاہری اقوال وافعال حرکات وسکنات کا اثر ہمارے قلب پر بالضرور پڑتا ہے یا یوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکات ظاہری ہی اسکی آئینہ دار ہیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ظاہر ضروری نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن بھی ضروری ہے۔

احکام الٰہی میں وجوہ واغراض متعددہ ہونے کی حکمتیں : یہ بات ثابت ومسلم ہے

کہ خدا کی پیدا کردہ ادویہ میں مصالح و اغراض متعددہ ہوتے ہیں ایسا ہی اسکے احکام میں بھی متعدد حکمتیں و اسرار و رموز ہیں۔ چنانچہ ایک ایک جڑی بوٹی اور دوا میں اس نے صدہا اوصاف و خواص رکھے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی دوا سے کئی کئی امراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے لہٰذا بقاعدۂ مذکورہ ذیل میں جس قدر وضو کی حکمتیں و اسرار ہم بیان کریں گے وہ سب اس میں پائی جاتی ہیں بلکہ اور بھی بہت سی حکمتیں اس میں اور دوسرے احکام میں ایسی بھی ہیں۔ جہاں تک ہمارا علم نہیں پہنچا۔

اوّل حکمت وضو ترک غفلت : اب ہم ترتیب وار وضو کی حکمتیں آیات قرآنی و احادیث نبویہؐ و کتب علم الابدان سے لیکر بطور خلاصہ لکھتے ہیں لہذا واضح ہو کہ وضو انسان کو ظاہری و باطنی گناہوں اور غفلت ترک کرنے پر آمادہ کرتا ہے اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی مشروع ہوتی تو انسان اسی طرح پردہ غفلت میں سرشار رہتا ہے اور غافلانہ نماز میں داخل ہو جاتا دنیاوی ہموم و شواغل میں پڑ کر نشیلے آدمی کی طرح ہو جاتا ہے لہذا اس نشہ غفلت کو اتارنے کیلئے وضو مشروع ہوا ہے تاکہ انسان باخبر و باحضور ہو کر خدا کے آگے کھڑا ہو۔

دوم حکمت وضو حفظ ماتقدم : مشاہدہ و طبّی تجارب اس امر کے شاہد ہیں کہ انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے مواد اطراف بدن سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ پاؤں یا اطراف منہ و سر پر آکر ٹھہر جاتے ہیں اور مختلف اقسام کے زہریلے پھوڑے و پھنسیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اطراف بدن کو دھونے سے وہ گندے مواد رفع ہوتے رہتے ہیں۔ یا تو جسم کے اندر ہی ان کا جوش پانی سے بجھ جاتا ہے یا خارج ہوتا رہتا ہے۔

سوم حکمت وضو حصول حب الٰہی : بہ نیت اطاعت الٰہی ظاہری و باطنی نظافت کا پابند خدا تعالےٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین**. ترجمہ :۔ یعنی خدا تعالیٰ باطنی و ظاہری طہارت و صفائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ پس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف عطا ہو لازم ہے کہ اس سے

متصف رہے۔

چہارم حکمت وضو غلبہ ملکیت پر بہیمیت : جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کیلئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا ہے اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

پنجم حکمت وضواز دیاد عقل : طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا رہتا ہے اور جہاں عقل تام ہو گی وہاں حضور الٰہی بھی تام ہو گا۔

ششم حکمت وضو عود نور و سرور : گناہوں اور کسل کے باعث جو روحانی نور و سرور اعضاء سے سلب ہو چکا تھا وضو کرنے سے دوبارہ ان میں عود کر آتا ہے۔ یہی روحانی نور قیامت میں اعضاء وضو میں نمایاں طور پر درخشاں ظاہر ہو گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **ان امتی یا تون یوم القیامة غرامحجلین من ا ثار الوضئوفمن استطاع منکم ان یستطیل غرته فلیفعل.** ترجمہ :۔ یعنی قیامت کے دن میری امت جب آوے گی تو وضو کے آثار سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے اسلئے تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے **تبلغ الحلیة من المومن حیث یبلغ الوضو** ترجمہ :۔ یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جاویگا۔

ہفتم حکمت وضو قرب ملائکہ : طہارت کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ قرب واتصال ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اسکو شرف باریابی عطا ہو۔ کیونکہ طہارت کی وجہ سے انسان کو شیاطین سے بعد ہو جاتا ہے۔

ہشتم حکمت وضو شعار الٰہی میں بطہارت داخل ہونا :۔ چونکہ نماز عظیم الشان

شعار اللہ میں سے ہے۔ لہٰذا شعار الٰہی میں داخل ہونے کیلئے وضو لازم ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مفتاح الصلوٰۃ الطھور یعنی نماز کی کنجی وضو ہے۔

نہم حکمت وضو عرض حال : رعایا کو بغرض عرض مطلب وحال اور احکام شاہانہ سننے کیلئے دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے تمام آداب و تعظیمات جو وقت حضوری دربار بجالاتے ہیں وہ سوال ہی کی مد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور حکم سننے کیلئے کان چاہئیں۔ ایسا ہی حضور دربار کیلئے ہاتھ منہ' پاؤں کا دھونا اور درستی لباس کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ مد سوال و عرض حال ہی میں شمار کئے جاتے ہیں پس جب امراء وسلاطین کے حضور میں جاتے یا کسی عمدہ یا پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں تو ان اعضاء وضو کو دھو لیتے ہیں کیونکہ ان پر اکثر گرد و غبار میل کچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔

دہم حکمت وضو حصول تقویت وبیداری اعضائے رئیسہ : تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ میں تقویت وبیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ غفلت اور خواب اور نہایت بیہوشی اس فعل سے دور ہو جاتی ہے۔ اس تجربہ کی تصدیق حاذق اطبا سے ہو سکتی ہے کیونکہ جس کو غشی ہو یا زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد لی گئی ہو اسکے اعضاء مذکور پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قریشی نے اپنی کتاب موجز میں اور دیگر اطباء نے بھی لکھا ہے فانه ینعش الحرارة العزیزة ویقو یها وینفع الغنی الحادث عن الکرب الحماصی وغیره. ترجمہ :۔ یعنی منہ ہاتھ پاؤں پر پانی چھڑکنا حرارت عزیزہ تازہ کو تازہ اور قوی کر دیتا ہے اور حمام وغیرہ کی تکلیف سے جو بیہوشی پیدا ہو اس میں یہ امر نافع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو امر ہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی و سستی و کثافت کو بذریعہ وضو دور کرے تاکہ خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے

لایق ہو سکے کیونکہ وہ سدا ہوشیار و بیدار ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے **لا تاخذہ سنة ولا نوم.** یعنی خدا تعالیٰ کو غفلت و نیند نہیں پکڑتی۔ پس غافل و کاہل اس کے حضور میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ و مستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تقربو الصلوٰة وانتم سکاری.** ترجمہ :۔ نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

کسی نشہ باز کو کسی ظاہری حاکم و بادشاہ کے دربار میں بحالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی پس جب کہ نشہ باز و شرابی حالت نشہ و غفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا تو جو شخص نشہ باز و غافل جیسی حالت بنائے ہوئے ہو اسکو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہو سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اسی لئے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو بحالت نشہ معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے اور اسکے دل میں کیا گذر رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **حتی تعلموا ماتقولون.** یعنی نماز اس حالت میں پڑھو کہ تمہارے دل کو معلوم ہو جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو۔ یعنی ان کلمات سے تمہارے دل کا واقف و دانا ہونا ضروری ہے جو تمہارے منہ سے نکل رہے ہیں اور جن کو تم اپنی زبان سے پڑھ رہے ہو۔

اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز : وضو میں ساتوں اندامو کو دھونا سات قسم کے گناہوں کو ترک کرنے کی طرف ایماء اور رجوع الی اللہ کی صورت اور صفائی ظاہر و باطن کی استدعاء اور زبان حال کی دعا ہے اور اسکے بعد دعائے توبہ کو زبان قال سے پڑھنا رحمت الٰہی کو جذب کرنے کیلئے بہت ہی مناسب و مؤکد مدعا ہے کیونکہ جب انسان کا ظاہر پانی سے پاک ہو جاتا ہے تو یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسکا دل بھی اسی طرح پاک و صاف ہو جاوے مگر وہاں تو دست قدرت الٰہی کے سوا کسی اور کی دسترس نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اس مقصد کے حصول کے لئے اسی کے آگے دست سوال پھیلایا جاتا ہے۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین. ترجمہ :۔ یعنی اے خدا مجھے تائبین اور پاکیزہ دلوں کے گروہ میں کیجیو۔

جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیب کیوں مامور بہ ہے : وضو کی ترتیب

منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسان سے احکام الٰہی کی مخالفت و گناہ کا ظہور اسی ترتیب سے ہوتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لہٰذا اعضائے وضو کو بترتیب منصوص دھونا ان کو گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے مثلاً جس اندام کے ذریعہ سے انسان سے اولاً گناہ سرزد ہوا اس کو سب سے پہلے دھونا سب سے پہلے اسکے ترک گناہ اور توبہ کی طرف ایما ہے۔

خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرے کے دھونے کا امر فرمایا۔ جس میں منہ ' ناک ' آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کلی کے ذریعہ زبان کو صاف کیا جاتا ہے جس میں توبہ زبان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندامو ں سے سبقت لیجاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اکثر خطایا ابن ادم فی لسانہ یعنی بنی آدم سے اکثر گناہ اس کی زبان کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں اسی سے الفاظ کفر و غیبت و نمیمت و سب دشتم اور صدہا قسم کے لاطائل اور بیجا کلمات نکلتے ہیں پھر ناک میں پانی ڈال کر اس کو صاف کیا جاتا ہے جو کہ مشمومات ممنوعہ اور دماغی کبر و غرور سے توبہ کرنے کی علامت ہے پھر سارے چہرے کو مع دونوں آنکھوں و پیشانی کے دھویا جاتا ہے جو کہ مواجہ کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بد نظری کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے جو ہاتھوں کے ترک ذنوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب انسان باتیں کرتا اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اسکو دھویا نہیں جاتا۔ کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی بلکہ باتباع زبان اور آنکھ اور انکی مجادرت کے باعث ہوتی ہے لہٰذا سر کیلئے ایسا حکم ملا جو دھونے اور نہ

دھونے کے درمیان ہوا اور وہ مسح ہے اور پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کے کانوں میں بلا اختیار بغیر قصد آواز آپڑتی ہے۔ لہٰذا ان کیلئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان یعنی مسلح کا حکم ملا اور ایسا ہی مسح گردن کو سمجھو۔

ان ہر سہ اندامہائے ممسوحہ یعنی سر، کان، گردن کے مسح میں سرکشی گردن کشی اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف ایما ہے۔ دوسری وجہ ان مذکورہ بالا اندام کے مسح کرنے کی یہ ہے کہ اگر ان کو دھونے کا امر ہوتا تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا تو بلا شبہ یہ فعل اس کیلئے سخت حرج میں داخل ہے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج**. یعنی خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

پھر پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں لہٰذا پاؤں کو دھونا سب سے آخر ٹھہرا کیونکہ ان سے مخالفت الٰہی سے حرکت سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے۔ پس سب سے آخر ان کی توبہ کی نیت آئی ہے۔ اور تین بار ہر اندام کو دھونا توبہ کے ارکان ثلاثہ، ندامت بر گناہ و ترک اور آئندہ گناہ کو ترک کرنے کیلئے عزم بالجزم کی طرف ایما ہے۔

حکمت طہارت صغریٰ و کبریٰ بطور اختصار : طہارت اس لئے کی جاتی ہے کہ باطن منور ہو جائے اور انس و سرور پیدا ہو اور افکار رویہ دور ہو جاویں۔ اور تشویشات و پراگندگی اور پریشانی و افکار رک جائیں۔ پس طہارت کی روح نور باطن و سرور دل و اطمینان خواطر ہے۔

سر اور کانوں کے مسح کیلئے جدید پانی لینے کی حکمت : وضو میں مسح سر و کانوں کے لئے جدید پانی لینا اندامہائے ممسوح کی تجدید توبہ کی طرف ایما ہے۔

مٹی اور پانی سے طہارت مشروع ہونے کا راز : مٹی و پانی سے طہارت کا مشروع ہونا

فطرت مستقیمہ و عقول سلیمہ کے موافق ہے۔ (۱) خدا تعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرۃً وشرعاً اخوت ڈالی لہذا ان دونوں کو طہارت کیلئے جمع کیا۔ وجہ یہ ہے کہ آدم اور اسکی اولاد کو خدا تعالیٰ نے ان ہی سے پیدا کیا۔ گویا ہمارے والدین اور انکی ذریت کیلئے مٹی اور پانی والدین ہیں۔ (۲) خدا تعالیٰ نے ہر زندہ چیز کی زندگی پانی اور مٹی سے ٹھہرائی لہذا ان ہی سے بنی آدم اور چرندوں، پرندوں، درندوں کی قوت بنائی کیونکہ مٹی اور پانی کا وجود عام ہے ہر جگہ مل سکتے ہیں۔ (۳) منہ کا مٹی سے آلودہ کرنا خدا تعالیٰ کو پسند آتا ہے چونکہ ان دونوں اشیاء کا عقد آپس میں قدرتی طور پر محکم اور قوی ہے لہذا شرعاً بھی انکا آپس میں عقد ٹھہرانا خوب و مناسب تر ہے۔

بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینے کا راز : وضو کا بچا ہوا پانی پینے میں یہ راز ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہری اندامو پر پانی ڈال کر ظاہری اندامو کے گناہوں سے تائب اور طالب مغفرت ہوتا ہے ایسا ہی متوضی کی طرف سے وضو کا بقیہ پانی سے یہ ایما ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس طرح تو نے میرے ظاہر کو پاک کیا ایسا ہی میرے باطن کو پاک و صاف کر۔

وضو کیلئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ : (۱) انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرو تو تم پر واضح ہوگا کہ اس کے سات اخلاقی اعضاء جن پر تمام شرائع و قوانین کا دارومدار ہے وہ ذو وجہین و ذو قوتین یعنی دورخے اور دوہری قوتوں والے ہیں۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں زبان، آنکھ، کان، دماغ، سر جس میں ناک بھی شامل ہے۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ شرمگاہ۔ یہی اعضاء ہیں جنکے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش و معاذ کا تعلق ہے۔ اور وہ ذوو جہین اس طرح ہیں کہ ان ہی سے تو انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر اپنے لئے سات دوزخ کی راہ بناتا ہے اور ان ہی کے وسیلے سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت کر کے سات بہشت اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام و اکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنی خوشی و رضا کے اظہار میں حق موعود سے بڑھ کر اجرت دیا کرتا ہے۔

(۲)وضو میں سات اندامو ں کو دھونا ساتوں قسم کے اصول جرائم سے تائب ہونیکی طرف ایما ہے۔ چنانچہ آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین میں ہر طہارت کنندہ کو باطنی پاکیزگی وصفائی اور انابت الی اللہ اور ترک گناہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پس سات اندامو ں کے لیے وضو کا مخصوص ہونا انکو ساتوں قسم کے گناہوں سے دھونے اور سیئات سے دست برداری دینے کی طرف اشارہ ہے تاکہ انسان آثار دوزخ سے نجات پائے اور قابل وخول بہشت ہو۔ اسی امر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مامنکم من احدیتوضأ فیسبغ الوضوء ثم یقول اللھم اجعلنی من التوابین وجعلنی من المتطھرین الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃیدخل من ایھاشاء. ترجمہ :۔ یعنی تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو پورا پورا وضو کرے اور پھر اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین پڑھے مگر اس کیلئے آٹھوں بہشتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کا تقرر منجملہ اور وجوہ کے توبہ وصفائی دل کیلئے بھی ہے اور ساتوں اندامو ں کا دھونا اسی وجہ سے ہے کہ یہی اعضأ درکات جہنم اور یہی اعضأ درجات بہشت کے راستے ہیں ؎

راہ جنت نارواایں اعضائے تست ہر چہ کاری بدروی بر رائے تست

یہی سات اعضاء ہیں جس کے ذریعے سے نفس امارہ کی ناپاک وناجائز حرکات کا صدور ہوتا ہے ؎ قصہ نفس ازپرسی اے پسر قصہ دوزخ بخواں باہفت سر

(۳)خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے کان سے سنتا ہے' ناک سے سونگھتا ہے' زبان سے چکھتا ہے' ہاتھ سے چھوتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر پہنچتا ہے اور ایک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے جو اسکے اخلاق پر اثر کرتا ہے انسان کے دل کے اندر سے نکلنے والی چیزوں کی بہ نسبت وہ چیزیں زیادہ ہیں جو باہر سے اس کے دل کے اندر جاتی ہے۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک یوں کہنا چاہیے کہ جو کچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے وہ وہی ہے جو باہر سے اسکے دل

میں جاتا ہے پس صفاء دل کیلئے ان اعضائسبعہ کا دھونا بڑا مفید ہے جن کا اثر انسان کے اندر دل میں جاکر پیدا ہوتا ہے کیونکہ جیسا کہ ظاہری اندامو کو دھونے سے ان میں نشاط سرور ونور پیدا ہوتا ہے ایسا ہی دل میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کا راز : (۱) ہر اندام وضو کو تین بار دھونا۔ تین ارکان توبہ کی طرف ایما ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

موجودہ حالت گناہ سے نکلنا۔ ندامت کردہ۔ آئندہ کے لئے ترک گناہ کا عزم بالجزم۔

(۲) ہر اندام وضو کو تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین سے کم دھونے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا اور یہ امر تفریط میں داخل ہے اور زیادہ دھونے میں افراط واسراف ہے کیونکہ اگر دھونے کیلئے ایک حد معین نہ ہوتی تو ظنی اور وہمی انسان سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھونے میں گذار دیتے اور ان کی نماز کا وقت گذر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔ فرمایا **نعم ولو کنت علی ضفة نهر جار**. ترجمہ :۔ یعنی بیشک وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر جاری کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرو۔

اور گو بعض صورتوں میں اندامو پر بار بار پانی ڈالنے سے پانی تو ضائع نہیں ہوتا مگر متوضی کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہے اور وقت کا ضائع کرنا بڑا بھاری اسراف ہے۔

اسلام میں مسواک کرنے کی حکمت : (۱) یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف کرنا اور اجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پر مبنی ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور عمدہ ہے کہ جب کسی عالیشان دربار میں جاتا ہو تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل وشباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیت کرتے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے پس احکم الحاکمین رب العالمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالیشان

ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کیونکہ ان اللہ جمیل یحب الجمال. یعنی خدا تعالیٰ خوب ہے اور وہ خوبی کو پسند کرتا ہے سو جبکہ یہ بات ٹھیری تو دانتوں کے میل اور بوئے دہن کو وہ کب پسند کر سکتا ہے اس وجہ سے اعظم شعائر اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر قاذورات اور میل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسا ہی دانتوں کے میل و منہ و مسوڑھوں کی عفونت کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کا استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کے لئے جو امور بجالائے جاتے ہیں ان سے جسمانی فوائد حاصل ہونے کے علاوہ اخروی اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

(۲) اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کی جائے تو مسوڑھوں اور دانتوں میں بقیہ غذا کے رہنے اور میل جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو ہو جاتی ہے اور جب انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جا کر کھڑا ہوتا ہے تو اسکی بو سے انکو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ امر عند اللہ و عند الناس مقبوح و مکروہ ہے

(وضو خدا کے نام سے شروع کرنے کا راز : جب کہ طہارت نماز حسب فرمودہ خداوند کریم مقرر ہوئی تو لازم ہے کہ اسی کے نام و نیت سے شروع بھی ہو تا کہ ثواب ہو انما الاعمال بالنیات۔ سید الاعمال بالنیات گفت

نیت خیرت بسے گلہا شگفت

کیونکہ اگر وضو محض حسب عادت بحالت غفلت کیا جاوے اور اس میں اطاعت امر الٰہی و قربت الی اللہ کا خیال نہ ہو تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا اس لئے وضو باسم اللہ مقرر ہوا تا کہ نماز و نیاز قربت الٰہی و انابت الی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان حجاب غفلت سے باہر آوے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا وضو لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ. یعنی جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)

جواب اس سوال کا کہ جبکہ منہ ہاتھ پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا مسح تین تین بار کیوں نہ مشروع ہوا : دراصل جیسا کہ دیگر اندامو ں کا دھونا تین تین بار مشروع ہوا ہے ایسا ہی سر اور کانوں کا مسح بھی تین تین بار تھا مگر بوجہ رفع حرج دوبار معاف اور ایک بار باقی رہا۔ شرح مسند امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۱۹ اور ۲۸۰ ملاحظہ ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ در حقیقت سر اور کانوں کو نہ دھونا اور ان کا مسح کرنا رفع حرج کیلئے مقرر ہوا ہے اور اگر ان کے دھونے میں بھی تثلیث ہوتی تو رفع حرج کی حکمت ضائع ہو جاتی کیونکہ جس اندام پر تین بار ہاتھ پھیرے جائیں وہ قریباً سار اتر ہو جاتا ہے۔

سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کیلئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے پس جنکو ایسے ممالک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا ان کیلئے یہ امر باعث ہلاکت یا مرض تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ بطور احتیاط و حفظ ماتقدم سر اور کانوں کا مسح ایک ایک بار مشروع رہا۔

وضو میں ہر داہنے عضو کو پہلے دھونے کی وجہ اور استنجا اور ناک جھاڑنے کا بائیں ہاتھ سے مخصوص ہونے کا راز : (۱) وضو کو ہر داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے ٹھہرا ہے کہ ہر داہنے عضو کو بائیں پر فضیلت ہے اور فضیلت کا کام پہلے فضیلت والے کو ہی دیا جاتا ہے ؎ کہ دارد فضیلت یمیں بر یسار۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب مستعمل ہیں ان میں تو دائیں عضو کو مقدم رکھا اور جو ایک جانب مستعمل ہیں اگر وہ محاسن اور طیبات کی قسم سے ہوں تو ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے یہی قانون خدا تعالیٰ کے ہاں جاری ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے **ویؤت کل ذی فضلٍ فضلہ** (پارہ ۱۱ سورہ ہود) یعنی خدا تعالیٰ فضیلت والی چیز کو اس کی فضیلت عطا فرماتا ہے۔

(۲) جس کو مرتبہ عدالت واعتدال کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اسکا حق عطا کرتا ہے کھانے پینے اور پاکیزہ چیزوں کیلئے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کیلئے بائیں ہاتھ کو خاص کرتا ہے ابن ماجہ میں ہے عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی الطھور وترجلہ اذاترجل وفی انتعالہ اذا انتعل. ترجمہ :۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دائیں طرف سے وضو شروع کرنا شانہ کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔ شارح ہندی نے بھی ان امور کی وجہ یہی فضیلت وشرافت بیان کی ہے۔

(۳) جب کہ یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان کے ہر فعل مناسب ونامناسب کا اثر انسان ہی کے دل پر پڑتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ جس فعل کو اپنے مناسب طریق سے پھیر کر غیر مناسب طور پر کیا جاوے اس کا اثر بھی دل میں غیر مناسب ہی پیدا ہوگا یہی وجہ ہے کہ دست راست سے استنجا کرنا ناک جھاڑنا اور دست چپ سے بغیر عذر کے کھانا پینا موجب غموم وہموم وباعث قساوت قلب ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز :(۱) تقویت وتصفیہ خون دل وجگر کے لئے ہاتھوں کا دھونا مفید ہے چنانچہ حاذق اطبا پر یہ امر مخفی نہیں ہے اور یہ امر بوجہ احسن اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی وہ تمام رگیں جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل اور جگر کو پہنچتی ہیں وہ دھونے میں شامل ہو جائیں اور جو رگیں دل وجگر تک پہنچتی ہیں وہ کچھ ہاتھ کی انگلیوں سے اور کچھ کف دست وساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھ کا دھونا مقرر ہوا تاکہ تمام رگیں دھونے میں داخل ہو جائیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہاتھوں کے اور منہ کے دھونے سے دل اور جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعہ سے اندر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وایدیکم الی المرافق آیا ہے یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ تو جو لوگ فن سرجری وجراحی میں ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ

جس کا دوسرا نام ہنری اظام اور تیسرا نہر البدن ہے جب کبھی دلی و جگری و جلدی بیماریوں کے رفع کرنے اور تصفیہ خون کے لئے اس رگ کا خون نکالنا تجویز کرتے ہیں تو کہنی کے برابر سے ہی رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ میں یہ رگ ظاہر وباہر بھی ہوتی ہے۔ نیز علاوہ دل و جگر کے اس کا اثر سارے بدن پر حاوی بھی ہے پس ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک بھی اس لئے مقرر ہوا کہ نہر البدن کے ذریعہ سے پانی کا اثر پورا پورا اندر چلا جائے۔

(۲) جب کہ وضو میں اصل اطراف بدن کا دھونا مقرر ہے تو ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اس لئے ٹھہرا کہ اس سے کم کا اثر نفس انسانی پر کچھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ کہنی سے کم عضو نا تمام ہے۔

وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت :(۱) ہر مذہب وملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کی منجمد بلغم سے دماغ میں برا اثر پہنچتا ہے جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتا ہے نیز اہل عرب کے عرف میں ناک کے لفظ کو عزت اور بڑائی کے محل پر استعمال کرتے ہیں چنانچہ جب وہ کسی کے لئے بد دعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ارغم اللہ انفہ یعنی خدا تعالیٰ اس کی ناک خاک آلود کرے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کو عزت وبڑائی کے مقام سے ذلت میں گرائے پس ناک کو دھونا اپنے کبر و غرور کو چھوڑنے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کسر نفسی دکھانے کی طرف ایما ہے۔ (فتوحات مکیہ)

وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا راز :(۱) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز ہے کہ وہ رگیں جو پاؤں سے دماغ کو پہنچتی ہیں وہ کچھ پاؤں کی انگلیوں سے اور کچھ ٹخنوں سے شروع ہوتی ہیں اور ان سب کو دھونے میں شامل کر لینے سے دماغ کے بخارات رویہ بجھ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک وضو میں مقرر ہوا وارجلکم الی الکعبین. یعنی پاؤں کو

ٹخنوں تک دھولو۔

(۲) چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور ان پر اجرام موذیہ اور گرد و غبار پڑتا رہتا ہے لہٰذا پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا امر ہوا۔

(۳) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز بھی ہے کہ اس سے کم ناتمام عضو ہے لہٰذا سارے عضو کا دھونا مقرر ہوا تاکہ اس دھونے کا اثر بالاستیعاب ہو۔

بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونے کا راز اور موزہ کے مدام نہ ہونیکا

راز: پاؤں کا ظاہر حال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب پاؤں پر موزے نہ پہنے ہوں تو انکو وضو میں دھونا ہی لازم ہے کیونکہ ننگے پاؤں پر گرد و غبار اجرام پڑتے اور جمتے رہتے ہیں اسلئے بحالت برہنگی ان کا دھونا ہی فرض ہے ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ اطراف بدن کے اندراموں کے دھونے کا امر اس لئے بھی ہوا کہ جسم کے اندرونی حصہ کے زہریلے مواد خارج ہو کر ان میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور ان کی سمیت جوش مار کر خطرناک امراض کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دھونے سے جوش سمیت دھیما پڑ جاتا ہے یا کہ از راہ مسامات خارج ہو جاتا ہے اور جب برہنہ اطراف بدن کو دھویا نہیں جاتا تو گرد و غبار پڑنے سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور مسامات کے بند ہونے سے زہریلے مواد پھر اندر کی طرف جاکر موجب ایذاء ورد ہوتے ہیں پس عدم موذہ کی حالت میں دھونا مقرر ہوا تاکہ اس برہنگی میں جو اجرام خبیثیہ اور گرد و غبار جمع ہوا ہے وہ زائل ہو جاوے جیسا اس سرخی میں اول بیان ہوا اور موزہ کی دواماً اجازت نہ ہوئی تاکہ جو خبیث مادے باطن سے ظاہر کی طرف آکر جمع ہوئے ہیں وہ زائل ہو جاویں جیسا اس سرخی میں دوسری حکمت بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں فائدے پاؤں پر مدام موزہ رکھنے میں کہ اس حالت میں وہ کبھی نہ دھلتا یا پاؤں پر محض تھوڑے سے پانی سے مسح کرنے میں حاصل نہ ہوتے یہی وجہ ہے کہ مسح موزہ کی انتہائی مدت تین دن رات سے زیادہ مقرر نہیں ہوئی بلکہ موزہ پر مسح کرنے والے مقیم کو تو ہر ایک دن اور رات کے

بعد اور مسافر کو ہر تین دن اور رات کے بعد دھونے کا امر ہوا' نیز محض مسح صرف توبہ وانابت کی طرف تو توجہ دلاتا لیکن دھونے میں تقویت دماغ اور صفائی جلد وانکشاف مسامات بھی مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر پاؤں پر صرف مسح ہی ہوتا تو اور جو باقی اہم مقصود ہیں وہ حاصل نہ ہوتے۔

طہارت معنوی پر عام نظر : اخلاق فاسدہ واوہام باطلہ سے پاک رہنے کا سبق سکھانا اسلام کا خاصہ ہے کیونکہ اوہام باطلہ واعمال واخلاق فاسدہ نفس انسانی کو ایسے گندہ کرنے والے ہیں جیسے انسانی جسم غلاظتوں اور نجاستوں سے ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے ان سب سے پاک وصاف ہونے کا امر فرمایا اسی طہارت معنوی میں یہ بھی داخل ہے کہ شہوت بیجا وحرص نفسانی کی آلودگی اور رویت نفس یعنی خود بینی سے پاک وصاف ہو جاوے کہ اس حکم الہی میں تمام لوگوں کے ساتھ شامل ہونے سے انسان کو اپنے اور دوسرے کے درمیان مساوات اور برابری حقوق کا پتہ ملتا ہے خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسی طرح کسی کے حق تلفی نہ کرنا بھی طہارت معنوی میں داخل ہے اور طہارت جسم میں اس طہارت باطن کی طرف بھی اشارات ہیں چنانچہ مختصراً کچھ اشارات لکھے جاتے ہیں۔ طہارت صغریٰ کے بھی اور طہارت کبریٰ کے بھی۔

طہارت دست : حسب فرمودۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت شطر ایمان ہے پس مومن کو لازم ہے کہ طہارت کے معنی مقصودہ ومرادات مطلوبہ کو سمجھ کر اس کی عظمت شان کا حق بجالائے ہاتھوں سے کسی ایسی حرام چیز کو پکڑنے اور لینے سے پاک وصاف وطاہر رکھتے ہیں جس میں حکم الہٰی کی مخالفت ہو۔ ناحق کسی کو نہ مارے نہ کسی کا مال چھینے نہ کسی کو ضرر دینے کیلئے دست درازی کرے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں اسی طرف ایما ہے۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده** . ترجمہ :۔ یعنی مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔

طہارت دہن : جب منہ کو صاف کرنے کیلئے منہ میں پانی ڈالے تو اس وقت حرام چیزوں کے

کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے کی طہارت کو ملحوظ رکھے یعنی ایسے اقوال کو منہ سے نکالنے اور ایسی اشیاء کے کھانے کو اپنے منہ سے نفی کرنے کیلئے مستعد رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اسکا منہ روحانی نجاست سے آلودہ ہو کر مستحق لعنت بنے اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے اور ایسے اقوال منہ سے نکالنے کیلئے تیار ہے جن سے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملے اور ملاء اعلیٰ میں مستحق صفت ثناء ہو۔

طہارت بینی (ناک) : جب ناک کو پاک کرنے کیلئے ناک میں پانی ڈالے تو خیر اور بھلائی کی خوشبو سونگھنے کیلئے آمادہ ہو اور بدی اور شرارت کی بو کو پھینک دے ناک کی طہارت میں ننگ و خود بینی سے پاک رہنے کو غور کر کیونکہ ننگ و خود بینی عار ایسے امور ہیں جن سے انسان میں اپنے ہی بنی نوع پر بلندی اور بڑائی چاہنے کا اور نافرمانی الٰہی کا خیال و مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طہارت چہرہ : اپنا چہرہ دھونے کے وقت ماسوائے الٰہی سے اپنی تمام امیدیں اور توجہات ایسے اعمال بجالانے سے منقطع کر دے جن کا رخ و رجوع خدا تعالیٰ کی طرف نہ ہو اور اپنے منہ پر آب شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردہ شرم کو خدا تعالیٰ اور لوگوں کے آگے سے نہ اٹھاوے اور اپنی آبرو کو غیر اللہ کے لئے صرف نہ کرے۔

طہارت گردن : مسح گردن کے وقت حرص و ہوائے نفسانی سے اپنی گردن کو چھڑانے پر اور خدا تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری و اطاعت کا حق ادا کرنے پر اور گردن کشی کا خیال چھوڑنے پر آمادہ ہو تاکہ ایسی اشیاء کے حلقہ اطاعت سے اپنی گردن چھڑا کر آزاد ہو جائے۔ جو حضور الٰہی سے مانع ہیں۔

طہارت پشت : پیٹھ دھونے کے وقت تکیہ بر ماسوی اللہ سے اور کسی حق گو دعادل کو غیبت

کرنے سے دست برداری کو مد نظر رکھے۔

طہارت سینہ : سینہ دھونے کے وقت اپنے سینہ سے مخلوق الٰہی کے ساتھ کینہ کے کرنے کے اور ان کو دھوکا دینے کے خیالات کو نکال ڈالے۔

طہارت شکم : اپنے شکم دھونے کے وقت اشیاء حرام و مشتبہ کھانے اور پینے سے طہارت شکم کو مد نظر رکھ کر ایسی نجاستوں سے اپنے شکم کو پاک رکھے۔

طہارت شرمگاہ وران : شرمگاہ وران دھونے کے وقت تمام امور ممنوعہ کیلئے بیٹھنے اور اٹھنے سے اپنے آپکو بچائے۔

طہارت قدم : پاؤں دھونے کے وقت حرص و ہوائے نفسانی کیلئے چلنے اور ایسے امور کی طرف قدم زنی کرنے سے اپنے قدموں کو بچائے جو اس کے دین میں مضر ہوں اور جن سے کسی مخلوق الٰہی کو ضرر پہنچے ؎ خدرا برا ں بندہ بخشائشے ست : : کہ خلق از وجودش در آسائشے ست

باب التیمم

تیمّم کو خلیفہ وضوو غسل ٹھہرانے کیوجہ

(۱) خدا تعالیٰ کی عادت یوں جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر آسان و سہل کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دقت ہو اسکو ساقط کر کے اسکا بدل کر دیا جاوے تا کہ اس بدل سے ان کے دل ٹھکانے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے دفعتہً اس کے ترک کر دینے سے جبکہ بدل نہ ہو تا ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے بموقع ضرورت تیمّم کو خلیفہ وضوو غسل ٹھہرایا اور منجملہ طہارت کے تیمّم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا۔

وضوو غسل کے تیمّم میں فرق نہ ہونے کی وجہ : علامہ ابن قیم اس امر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔ واما کون تیمم الجنب کیتمم المحدث فلما سقط مسح الرأس والرجلین بالتراب عن المحدث سقط مسح البدن کله بالتراب عنه بطریق الاولیٰ اذفی ذالك من المشقة والحرج والعسر ماینا قض رخصة التیمم ویدخل اکرم المخلوقات علی الله فی شبه البهائم اذا تمرغ فی التراب فالذی جاءت به الشریعة لا مزید فی الحسن والحکمة والعدل علیه ولله الحمد. ترجمہ :۔ یعنی جنبی اور بے وضو کا تیمّم یکساں ہونے میں یہ حکمت ہے کہ جب کہ بے وضو آدمی کے لئے تیمّم میں ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد سر اور پاؤں کا مسح ساقط ہو گیا تو ان ہی اعضا یعنی ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد جنبی کیلئے سارے بدن کا مسح بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ سارے بدن کے مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے جو رخصت تیمّم کیلئے منافی و مناقض ہے اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کی افضل مخلوقات یعنی انسان کو خاک میں لوٹنے میں بہائم کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے پس جو کچھ شریعت حقہ نے مقرر کیا ہے حسن اور خوبی اور عدل میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مٹی سے تخصیص تیمّم کی وجہ : حضرت علامہ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العلمین میں مٹی سے تخصیص تیمّم کے سوال پر کچھ جوابات لکھے ہیں جنکا خلاصہ ترجمہ ہم یہاں اردو میں لکھتے ہیں۔

سوال : تیمّم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی ہے اور نہ بدن اور کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کی اصل یہی

دونوں چیزیں ہیں جن سے ہمارا نشوونما ہماری تقویت وغذا ہوتی ہے جس کو ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے پس جب کہ خدا نے اس مٹی اور پانی کو ہمارے نشونماو تقویت غذا کے اسباب ٹھیرائے تو ہمارے پاک اور ستھرے ہونے کے لئے اور عبادات میں مدد لینے کیلئے بھی انہیں کو وضع فرمایا وجہ یہ کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ادھر پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں مٹی اور پانی جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے پس جب کہ ہماری ابتدائی پیدائش اور تقویت اور نشوونما مٹی اور پانی سے ہوئی ہے تو جسمانی روحانی پاکی کیلئے بھی انہیں کو خدا نے ٹھہرالیا۔

(۲) عادۃً پلیدی وگندگی کو زائل کرنے کا رواج پانی سے بکثرت ہے اور جب حالت مرض وعدم وجود آب عذر لاحق ہو جاوے تو طہارت کیلئے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر یعنی مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۳) تیمّم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین کہیں بھی ناپید اور مفقود نہیں ہوتی تو ایسی چیز اس قابل ہو سکتی ہے جس سے لوگوں کی دقت رفع ہو سکے۔

(۴) منہ کو خاک آلود بنانا کسر نفس وانکسار وعاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے سو تیمّم کیلئے مٹی استعمال کرنے میں یہ خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے اور ذلت کی شان طلب عفو کی مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے منہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ اور مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔

تیمّم میں دو اندراموں کے مخصوص ہونے کی وجہ اور پاؤں اور سر پر مسح تیمّم مشروع نہ ہونے کا راز

تیمّم دو اندراموں ہاتھوں اور منہ کیساتھ مخصوص ہونا اور پاؤں اور سر پر تیمّم مشروع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسندیدہ ومکروہ امر شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروج ہے اس وجہ سے سر پر مٹی

ملنا مشروع نہیں ہوا کیونکہ یہ امر عند اللہ و عند الناس مکروہ و ناپسند ہے اور تیمّم میں پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا اس لئے حکم نہیں دیا گیا کہ پیر تو خود ہی گرد و غبار سے آلودہ رہتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جاوے۔ حضرت ابن قیم جوزی رحمتہ اللہ علیہ تیمّم کے دو اندامو ں کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :۔ **واما کونه فی عضوین ففی غایة الموافقة للقیاس والحکمة فان وضع التراب علی الرؤس مکروه فی العادات وانما یفعل عند المصائب والنوائب والرجلان محل ملابسة التراب فی اغلب الاحوال وفی تتریب الوجه من الخضوع والتعظیم لله والذل له والانکسار لله ماهو من احب العبادات الیه وانفعها للعبد.** (اس عبارت کا اکثر ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تیمّم صرف دو ایسے مغسول اندامو ں میں مشروع ہے جو وضو کرنے میں مدام دھوئے جاتے ہیں اور دو ممسوح اندامو ں کو تو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ پاؤں پر موزے پہن کر اور سر پر ہر حال میں مسح ہوتا ہے پس جبکہ دو مغسول اندامو ں کیلئے صرف مسح پر اکتفا کیا گیا تو دو ممسوح اندامو ں کو تو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ اگر ان پر بھی مٹی سے مسح مشروع ہوتا تو اس سے حکمت سہولت و آسانی میں فرق آتا جو مصلحت الٰہی کے بر خلاف ہے۔

باب الغسل

حائض و جنبی کے مسجد میں داخل نہ ہونیکی وجہ

جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا اس لیے ناجائز ہوا کہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر الٰہی میں سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اس کے اندر جانا ایسی ناپاک حالت میں ناجائز ہوا۔ **ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب.**

جس مکان میں کتا یا جنبی یا تصویر ہو اسمیں رحمت کے فرشتوں کے نہ آنیکی وجہ

آنے کی وجہ : آنحضرتؐ فرماتے ہیں :۔ **لا یدخل الملائکۃ بیتافیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب**. یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے نہ اس میں فرشتے آتے ہیں اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنبی آدمی ہو اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے کیونکہ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور نجاست ظاہری و معنوی مثل بت پرستی اور اس کے مقدمات سے نفرت یہ سب چیزیں ان صفات کی اضداد کی حامل ہیں اس لئے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

کافر کے مسلمان ہونے کیوقت اسکے لیے غسل کرنے وجہ : ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنحضرت ﷺ نے نہانے کا امر فرمایا اور دوسرے شخص کو ارشاد کیا کہ کفر کی علامت کو اپنے آپ سے دور کردے یعنی سر منڈادے اس میں بھید یہ ہے کہ اس شخص کو ظاہر میں بھی ایک بری چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جاوے اور نیز اسکو آگاہ کیا گیا کہ جیسا وہ اپنے ظاہر بدن کو غسل دیتا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ عقائد باطلہ سے دھوڈالے۔

طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ : حیض کے خون کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اذی یعنی گندگی فرمایا ہے پس جس گندگی سے بار بار جسم آلودہ ہو اس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسرا جریان خون سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہنچتا ہے اور جب غسل کیا جاوے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوئی ہے اور پٹھے تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہی قوت عود کر آتی ہے۔

اسی گندگی کے سبب خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عورت کے حیض حالت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔ **فاعتزلو النسآء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن** ترجمہ :۔ یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور ان کے نزدیک مت جاؤ۔ یعنی ان سے صحبت نہ کرو جبتک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو لیں۔

جنبی و حائض کیلئے قرآن کریم اور نماز پڑھنا ناجائز ہونے کیوجہ : جنابت اور حیض دونوں ایسی حالتیں ہیں جنکو قرب الٰہی کے ساتھ منافات اور جن میں نجاست سے اختلاط ہے اور نمازو قرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہم کلام ہونے کا مرتبہ ہے اور خدا کی ہمکلامی کے شرف سے انسان جب ہی مشرف ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کی نجاستوں سے پاک و مطہر ہو کیونکہ خدا پاک ہے اسکو ناپاکی سے نفرت ہے۔

منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ اور بول وبراز سے عدم وجوب غسل کا راز :

(۱) خروج منی سے غسل کا واجب ولازم ہونا اور بول سے واجب نہ ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں سے اور رحمت وحکمت و مصلحت الٰہی سے ہے کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے منی کا نام سلالہ رکھا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ولقد خلقنا الانسان من سلالت من طین۔ یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے کھینچے ہوئے جوہر سے صراح میں لکھا ہے سلالہ بمغی انچہ بیروں کیشدہ شوواز چیزے و آب پشت مروم پس منی انسان کے سارے بدن کا ست ہوتا ہے جو بدن سے رواں ہو کر بالا آخر پشت کے راستہ ہے نیچے آتی اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف پہنچتا ہے اور بول وبراز صرف کھانے پانی کے فضلے ہوتے ہیں جو مثانہ و معدہ میں جمع رہتے ہیں اسلئے منی کے نکلنے سے بہ نسبت خروج بول وبراز کے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے اور پانی کے استعمال سے وہ کمزوری نہیں رہتی۔

(۲) جنابت سے جسم میں گرانی وکاہلی وکمزوری وغفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت ونشاط وسرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا یہ ایسا امر ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع اور صحیح فطرت والا جانتا ہے۔

(۳) جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بعد ودوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل

کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ہٹ جاتی ہے اس لئے بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اگر پاک ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا امر ہوتا ہے اور اگر جنابت میں ہو تو اس کو سجدہ کا اذن نہیں دیا جاتا یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جنبی جب سونے لگے تو وضو کرلے۔

(۴) جب انسان مجامعت سے فارغ ہوتا ہے تو اسکا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی اور غم ساطاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپکو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اسکی تنگی دور ہو جاتی ہے اور بجائے اسکے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت کہتے ہیں۔

(۵) حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن روح کیلئے نہایت نافع اور مفید ہے اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن روح کیلئے سخت مضر ہے اس امر کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ کافی گواہ ہیں نیز اگر شارع علیہ السلام خروج بول و براز سے غسل کرنا لازم ٹھہراتے لوگوں کو سخت حرج ہوتا اور محنت اور مشقت میں پڑ جاتے جو کہ حکمت اور رحمت و مصلحت الٰہی کیخلاف ہے۔

(۶) جماع میں تلذذ ہوتا ہے اور اس سے ذکر الٰہی میں غفلت ضرور ہو جاتی ہے اس لئے اسکی تلافی کیلئے غسل کیا جاتا ہے۔

(۷) منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور کبھی ان سے پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آکر ٹھہر جاتے ہیں اگر ان کو دھویا نہ جاوے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

باب نواقض الوضووالتیمم

خروج بول وبراز ریح سے امر وضو کی وجہ

خروج ریح وبول وبراز کی بدبو سے اندرونی حالت نفس کو ایک قسم کی نجاست و یبوست وضعف لاحق ہوتا اور ملائکہ سے بعد ہو جاتا ہے اور شیاطین وجنات اسکو گھیر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خروج ریح وبول وبراز کیوقت اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث اور غفرانک پڑھنے کا امر فرمایا یعنی اے میرے خدا میں نجاستوں اور جنوں اور جنیوں وشیاطین سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری مغفرت چاہتا ہوں۔ پس اسی کے بعد امر وضو کا ہوا کیونکہ وضو سے نجاست و یبوست وضعف دور ہوتا اور ملائکہ سے قرب اور شیاطین وخبائث سے دوری حاصل ہوتی ہے۔

بول وبراز اور جماع کرنے کے وقت خانہ کعبہ کی طرف پشت اور منہ کرنا منع ہونیکی حکمت : (۱) خانہ کعبہ خداتعالیٰ کے شعائر میں سے ہے پس خانہ کعبہ کی تعظیم خداتعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس میں کمی خداتعالیٰ کی تعظیم میں کمی ہے۔ اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوگیا اور اس کی تعظیم کا حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اسکا طواف نہ کیا کریں نماز میں اسکے سامنے کھڑے ہوں ضرورت بشری یعنی بول وبراز جماع کے وقت اسکے سامنے نہ ہوں نہ اس کی طرف پشت کریں کیونکہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے وجہ یہ کہ جس سے عمداً بے ادبی سرزد ہوتی ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اسکی اس سخت دلی کا اثر اسکے متعلقین واقارب پر بھی سرایت کرتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد : : بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ یعنی خداتعالیٰ کے نشانوں کی تعظیم و

ادب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جنکے دلوں میں تقویٰ ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها یعنی جب تم جائے فراغت میں آؤ تو قبلہ کو نہ منہ کرو اور نہ اسکو پشت کرو۔

(۲) اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے۔ پس جبکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی یہ شرط ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لئے مخصوص رہے پس جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے یعنی حالت پاخانہ پیشاب جماع ایسی حالتوں میں قبلہ کو نہ منہ کیا جاوے نہ پشت کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کی وجہ : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں العینان وکاء السته فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله یعنی سرین کا بند آنکھیں ہیں کیونکہ جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

پاخانہ جانے اور اس سے نکلنے کے وقت اعوذ و غفرانک پڑھنے کی وجہ : پاخانہ کو جانے کے وقت اعوذ باالله من الخبث والخبائث پڑھنا اس لئے مستحب ہے کہ اس جگہ شیاطین جمع رہتے ہیں اس لئے کہ انکو نجاست بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلنے کے وقت غفرانك کہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ اور گوبر اور ہڈیوں سے منع استنجا کا راز :

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول ﷺ انما انا لكم مثل الوالد لولده اعلمكم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها وامر ثبلاثة احجارو نهى عن الروسة

والرمة ونهى ان ليتطيب الرجل بيمينه ترجمہ :۔ یعنی حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں تم کو آداب سکھاتا ہوں جب تم پاخانہ کو جاؤ تو قبلہ رو اور قبلہ پشت ہو کر نہ بیٹھو اور استنجا کرنے کو منع فرمایا سو قضاۓ حاجت کے وقت قبلہ رو ہو کر نہ بیٹھنے اور داہنے ہاتھ سے استنجانہ کرنے کی وجہ کا ذکر تو قبل ازیں لکھا گیا ہے اب بقیہ اجزاء حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) استنجا کے لئے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا ورنہ وہمی آدمی سارا سارا دن استنجا ہی کرنے میں گذار دیتے باوجود اس قدر تاکید شدید کے ہم بعض وہمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجا کے لئے ڈھیلوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور پانی کے کئی کئی مٹکے خالی کر دیتے ہیں اور تین سے کم ڈھیلوں میں بخوبی صفائی اور پاکیزگی واصل نہیں ہوتی اور تین میں صفائی ہو جاتی ہے اور تین سے زیادہ میں تضیع اوقات اور وہم کا بڑھانا ہے اور گوبر وہڈیوں سے استنجا اس لئے منع ہوا کہ ان میں اکثر موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ اور بعض قسم کے کاٹنے والے کیڑے بیٹھے رہتے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بنظر شفقت ورحمت اپنی امت کو ان سے استنجا کرنا منع فرمایا تاکہ استنجا کرنے والے کو کوئی موذی جانور نہ کاٹے اور ایذا نہ پہنچائے وجہ یہ ہے کہ اکثر ہوام اور موذی جانور سانپ بچھو ہزارپا وغیرہ کی پیدائش گوبر اور ہڈیوں میں سے ہوتی ہے اور انہی سے ان کی خوراک وپرورش ہوتی ہے اور ان کے سوراخدار جگہوں میں ایسے جانور کھسے رہتے ہیں اسلئے کہ جہاں کسی چیز کی پیدائش وخوراک کا سامان ہو وہاں اسکا اکثر قیام رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سے استنجا کرنا منع ہوا تاکہ انکے اندر سے نکل کر کوئی زہریلا جانور استنجا کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔

(۲) گوبر ہڈیوں سے استنجا کرنا موجب امراض شدیدہ ہے کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے اور ہوائے متعفن کے سمی اور قاتل آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں اگرچہ ان میں کسی وقت کیڑے نہ بھی موجود ہوں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کو محض بنظر شفقت ومرحمت ان

ضرروں سے بچنے کیلئے گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنا منع فرمایا ہے اور ہڈیوں کے باب میں ایک اور حکمت بھی وارد ہے انه زاد اخو انکم من الجن وہ اسکے علاوہ ہے۔

قہقہ اور قے اور نکسیر سے امر وضو کا راز : بہتا ہوا خون اور قے کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیزیں ہیں اور نماز میں قہقہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے جسکا کفارہ ہونا چاہیے اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور قہقہ کا جرم ہونا اسلئے ہے کہ نماز میں قہقہ کسی نفسانی پلیدی کے باعث ہوتا ہے جسکا ازالہ وضو سے کرنا لازم ہوا۔

حاجت بول وبراز کے وقت منع نماز کی وجہ : (۱) نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب شکم کے اندر نفخ وغیرہ سے تردد اور اضطراب بھی نہ ہو لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایصلی احدکم وھو بدافعه الاخبتان** یعنی تم میں سے کوئی شخص نماز کو کھڑا نہ ہو جب اسکو پاخانہ و پیشاب کی سخت حاجت ہو اس میں آنحضرت ﷺ نے آگاہ فرمایا ہے کہ نفس کے کسی اور طرف مشغول ہونے میں بھی حدث کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں نماز کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ پاخانہ اور پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

(۲) حبس بول وبراز سے دل میں انقباض اور پراگندگی وعدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہو اور پراگندگی رہے تو نماز ناقص رہے گی لہٰذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو چنانچہ علامہ حکیم محمد تونسی اپنی کتاب کنوز الصحۃ میں لکھتے ہیں۔ **ان حصر البول فی المثانة مدة طویلة مضر تنشاء عنه عوارض خطرة کسلسل البول والحصاة وغیر ذلك فیجب علی الانسان ان یبول کلما احس بالبول ولا یحصره مطلقاویرحم الله القائل ۔**

ولا تحبس الفضلات عندا نهضا مها ولو کنت بین المرهفات الصوارم

ترجمہ :۔ بول کو بہت دیر تک مثانہ میں روکنا ضرر رسان ہے اسلئے خطرناک امراض سلسل البول اور سنگ مثانہ وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں پس انسان پر لازم ہے کہ جب بول کی حاجت ہو تو اسی وقت بول کرے اور اسکو ہر گز روک نہ رکھے۔ چنانچہ کسی نے اس بارہ میں کہا ہے کہ جب فضلات ہضم ہو چکیں تو ان کو مت روکو اگرچہ تم چلتی تلواروں کے درمیان ہو۔

باب المسح علی الخفین

مسح موزوں کا راز

چونکہ وضو کا ان اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پاؤں موزوں کے پہننے سے اعضاباطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور نیز عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں پاؤں کا دھونا ساقط کر دیا گیا اور حکم دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد آجاوے کیونکہ مسح بھی پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے

موزہ کی جانب مسح مشروع نہ ہونے کیوجہ : اگر مسح موزہ نیچے کی جانب مشروع ہوتا تو بڑا حرج تھا کیونکہ نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت گرد سے موزوں کے آلودہ ہونے کا گمان غالب ہے لہٰذا عقل کا مقتضی یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جاوے۔

موزہ پر مسح مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت : جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز بھی مقرر کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جاوے لہٰذا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کے حاصل کرنے کیلئے ایسی چند باتیں مسح موزہ کیساتھ بھی مقرر کر دیں مثلاً ایک تو مسح کی مدت مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر فرمائی

اسلئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اسکا التزام اور انتظام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جن کا التزام کرنا چاہتے ہیں اسی مدت کے ساتھ اس کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مقیم و مسافر پر ان کی رفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئی ہیں پھر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں یہ دوسری شرط لگادی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تاکہ پہننے والے کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقشہ جمارہے اسلئے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے پس وہ اس طہارت مسح سے اس طہارت غسل کو یاد کرلیتا ہے اور اس قسم کے مذاکرات کا نفس کی تنبیہ پر پورا اثر ہوتا ہے۔

باب المیاہ (پانی)

جواب اس سوال کا کہ کیا کنویں سے رفع ناپاکی کیلئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے۔ اسلامی فقہ کے اس مسئلہ کے متعلق فلاسفروں کا اعتراض ہے۔ **من العجب انه لو وقع فی البیر نجاسة نزح منها دلاء معدودة فاذا جعل الدلو فی البیر تنجس وما اصاب حیطان البیر من ذلك نجسها وكذلك مابعده من الدلاء الا ان تنتهی النوبة الی الدلو الاخیر فانه یتنزل ثم یصعد طاهرا فیقشقش النجاسة كلها من قعر البیر الا رئوسه قال بعض المتكلمین مارأیت اكرم من هذاالدلو لا اعقل.** ترجمہ :۔ تعجب کی بات ہے کہ اگر کنوئیں میں نجاست پڑ جاوے تو اس سے چند ڈول نکالے جاویں۔ پس جب کنوئیں میں ڈول پڑتا ہے تو وہ بھی نجس ہو جاتا ہے اور جو پانی اس ڈول سے کنویں کی دیواروں کو لگتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ڈول کے اترنے کی آخری نوبت تک دیواریں پانی سے ناپاک ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جب آخری ڈول اوپر آتا ہے تو سب نجاست کو کنوئیں کی تہ سے لیکر اسکے سرے تک اوپر لے آتا ہے۔ بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ہم نے اس ڈول سے بزرگ اور عاقل تر کوئی اور ڈول نہیں دیکھا۔

جواب۔ ڈول نکالنے کی حکمت ظاہر ہے کہ کنوئیں کے پانی کو ڈول کے ذریعہ سے جاری کیا جاتا ہے

تاکہ جریان آب سے نجاست کے اجزاء خارج ہو جائیں۔

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونے کی وجہ : جس رکے ہوئے قلیل پانی میں نجاست پڑ جائے بوجہ رکاوٹ اکثر تو اسکا رنگ وبو اور ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور اگر متغیر نہ بھی ہو تب بھی بوجہ قلت اس میں نجاست سائر و مؤثر ہو جاتی ہے مگر جاری پانی کے اجزاء بوجہ جریان قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ نجاست کے اجزاء اسکے جریان کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔

قلیل پانی کی نجاست کی حکمت آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونیکا راز : پانی کی ضرورت تمام اشیاء عالم میں نظر آتی ہے چنانچہ اس کا کثیر الوجود ہونا خود اس بات پر دال ہے کہ تمام حیوانات کو اسکی ضرورت رہتی ہے عالم کے تمام جانداروں کا اسی پر آمدورفت کرنا اور انکی زندگی کا اسی پر موقوف ہونا عیاں ہے لہٰذا پانی کی اس قدر کثرت استعمال اس امر کی مقتضی ہوئی کہ جن پانیوں میں درندوں اور نجاستوں کا اثر پڑ کر آدمیوں کو ضرر دیں ان کی حد بنی آدم کو بتائی جائے تاکہ وہ آگاہ ہو کر ان نقصانات اور ضرروں سے بچیں اور حد ضرر سے زائد ہوا سکی اجازت دی جاوے پس جو حکم پانی قلیل کے لئے ہے اگر وہی کثیر کے لئے ہوتا تو دنیا میں لوگوں کے بڑے بڑے نقصانات ہوتے اور وہ دقتوں میں پڑ جاتے اور انکی زندگیاں ان پر دوبھر ہو جاتیں۔

اسلئے ضرور ہوا کہ پانی کیلئے حد قلیل وکثیر متمیز ہو تاکہ اس میں وقوع نجاست سے ایک دوسرے کے احکام میں التباس ہو کر لوگوں پر حرج و عسر واقع نہ ہو۔

وجہ خصوصیت آب دہ دردہ : جیسا کہ خباثت کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ہونا ضروری تھا کہ اگر وہ قلیل اور کثیر پانی میں پڑ جاوے تو اس کا پاک وناپاک ہونا معلوم ہو سکتا ہو ایسا ہی پانی کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ومقرر ہونا ضروری ہے تاکہ رفع شک اور وہم ہو لہٰذا دس جو جمع کثیر کا ابتدائی عدد ہے اس امر کا معیار مقرر ہوا کیونکہ یہ عدد پانی کی کثرت پر دلالت کرتا ہے پس جہاں اس قسم کی کثرت پائی میں ہو وہاں قلیل ناپاکی جو بو یا ذائقہ یا رنگ آب کو متغیر نہ کر سکے وہ

مؤثر نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ دردہ گز پانی ہو وہاں قلیل ناپاکی کا مؤثر ہونا قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسکو پاک گنا جاتا ہے کیونکہ وہ دردہ کا حاصل ضرب یکصد کی کثرت کو پہنچتا ہے۔

چوہے اور بلی کا جھوٹا پاک ہونے کی وجہ : اگر شریعت کا حکم ان جانوروں کی نجاست کا ہوتا تو اس میں امت پر حرج عظیم ومشقت کثیر واقع ہوتی کیونکہ یہ جانور شب و روز لوگوں کے فرشوں اور کپڑوں اور ماکولات و مشروبات پر پھرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ بلی کے باب میں اس امر کی طرف ایما فرماتے ہیں۔ انها ليست بنجسة لانها من الطوافين عليكم والطوافات.

کتے اور بلی کے جھوٹے میں فرق ہونے کی وجہ : (۱) کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے فرشتے نفرت رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کتا شیطان سے بہت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس کی فطرت میں غصہ ولعب اور گندگی سے آلودہ رہنا اور لوگوں کو ایذا دینا۔ اور شیطانی الہام کو قبول کرنا پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بغیر عذر کتے سے مخالطت کرنے سے دو قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(۲) کتا جو چیز کھاتا ہے اسکے ساتھ اسکا منہ آلودہ ہو جائے تو منہ کو صاف نہیں کرتا بخلاف بلی کے کہ وہ اپنے منہ کو پونچھ کر چاٹ کر صاف کر لیتی ہے۔

برتن میں کتے کے منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے اسکے پاک ہونے کی حکمت : قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب فى الاناء فاغسلوه سبع مرات و عفروه الثامنة بالتراب یعنی کسی برتن میں کتا پانی پی جائے یا کھا جائے تو اس برتن کو پاک کرنے کیلئے سات بار دھو ڈالو اور آٹھویں بار اسکو مٹی سے مانجھ دے کتے کے لعاب کی رطوبت کا اثر بہت قوی اور زہریلا ہوتا ہے اور وہ برتن وغیرہ ہر ایک چیز میں یکساں ہوتا ہے جو شخص کتے کا پس خوردہ یا کتے کے متاثر برتن میں کھانا کھائے یا پانی وغیرہ پیئے بالضرور اس میں اسکی درندگی وبد اخلاقی کا اثر سرایت کر جاتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے

اس برتن کو جس میں کتے نے پانی پیا کھایا ہو اس کو بکثرت دھونے کا حکم فرمایا اور سات بار کی تعداد کثرت سے دھونے کی تاکید پر دال ہے اور سات بار تک دھونے کی تعیین اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نور نبوی سے اس حد تک دھونے سے پلیدی کا اثر رفع ہونے کا علم ہو چکا تھا لہٰذا یہ حد مقرر فرمادی اور آٹھویں بار مٹی سے مانجھنا اسلئے فرمایا کہ زہریلے مادہ کی رطوبت کا اثر جو برتن وغیرہ میں سرائت کر جائے اسکو مٹی کا مادہ نمک رفع کر دیتا ہے۔

عبادات کیلئے اوقات مخصوص ہونے کی حکمتیں :(۱) جیسا کہ انسان پر ظاہر ہے کہ تغیر اوقات و تبدیل حالات سے جسمانی تبدیلیاں مشاہدہ میں آرہی ہیں ایسا ہی تغیر اوقات کے ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں اور جیسا کہ ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی اثر ہوتا ہے۔

تبدیل اوقات وحالات کے بعض دوروں کا وقت تو روزانہ ہوتا ہے اور وہ روزانہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور بعض اوقات کا دورہ ہفتہ کے دور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ روز جمعہ کا وقت ہے اور بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور وہ رمضان شریف کی وعیدیں ہیں۔

(۲) لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو پیش ہونا جو احادیث نبویہ میں مذکور ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا فضیلت وقت اور انسانی حالات کی خصوصیتوں کی طرف ایما ہے۔

(۳) جیسا کہ جسم کی حفاظت کیلئے بطور حفظ ماتقدم خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیا ادویہ وغذا یہ حسب مناسب وقت استعمال کی جاتی ہیں ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کیلئے خدا تعالیٰ کے فرمودہ احکام کی بجاآوری بمناسب اوقات معینہ کی جاتی ہے۔

(۴) نماز کیلئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ وقت کے تعین سے انسانوں کے

دلوں کو اسکی طرف توجہ رہتی ہے اور انکو جمعیت رہتی ہے اور یہ جھگڑا نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلے کیونکہ جس امر کی تعیین نہ ہو اس میں ہر شخص اپنی رائے کا دخل دینا چاہتا ہے خواہ اس میں اسکا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) اگر عبادات کیلئے اوقات معین نہ ہوتے تو اکثر لوگ تھوڑی سی نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوتا۔ تعیین اوقات میں یہ بھی ایما ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہیے اور انکے ترک کرنے کے حیلے حوالے کرے تو اسکی گو شمالی ممکن ہو سکے۔

(۶) حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانہ کے ہر ایک محدود حصہ کے بعد نماز کی پابندی کا اور اس کے تعیین وقت کا حکم دیا جاوے تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کیلئے تیار رہنا اور نماز کے بعد اسکے نور کا اثر اور اسکے رنگ کا باقی رہنا بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے اور اسکے اطاعت میں دل متعلق رہے اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جسکی اگلی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے اور ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی بھی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔

(۷) تقرر اوقات خمسہ میں پابندی اوقات کی طرف اور امور مہمہ میں تاخیر نہ کرنے کی طرف ایما ہے۔ **لا توخر عمل الیوم لغد** یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

وجہ تعیین اوقات پنج گانہ نماز : خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی اور حقیقت سمجھنے کیلئے اوقات خمسہ کے اوصاف مؤثرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :۔ **فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموت والارض وعشیا وحین تظھرون.** ترجمہ :۔ خدا تعالیٰ کی یاد کا وقت ہے جب تم

شام کرو اور جب صبح کرو اور اسکی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور دوپہر میں۔

عبارت قرآنی سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ ان اوقات میں زمین اور آسمان کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے جدید تسبیح و تحمید کا موقع آتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسانی روح اور جسم دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہارے فطرت کیلئے ان کا وارد ہونا ضرور ہے جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وجہ تعیین نماز ظہر : (۱) پہلے جب کہ تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے۔ مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے اپنی خوش حالی کے زوال کے مقدور ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اسکے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جسکا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے تاکہ جسکے قبضہ میں وہ زوال ہے اسکی قدرت کو یاد کر کے اسکی طرف توجہ کی جاوے۔ آنحضرت ﷺ نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ نیز اس وقت کے تغیر کا بھی یہی مقتضا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی جاوے چنانچہ اس تغیر کے آثار جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طبیبوں نے اپنی طبّی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے کہ نوم بعد زوال کہ مسمی است به حیلوله لکونه حائلاً بین النائم والصلوٰة محدث نسیان است. ترجمہ :۔ یعنی دوپہر کے بعد نیند جس کو حیلولہ کہتے ہیں نسیان کا مرض پیدا کرتی ہے اور حیلولہ اسکو اس لئے کہتے ہیں کہ سونے والے اور نماز کے درمیان حائل ہو جاتی ہے سو اس تغیر سے بچنے کیلئے بھی بجائے نوم

کے اشتغال بالطاعۃ مصلحت ہے۔

ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت : آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا اشتد والحرفابردوا بالظهر فان شدة الحرمن فيح جهنم. ترجمہ :۔ یعنی جب سخت گرمی ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جنت و جہنم کا خدا تعالیٰ کے ہاں خزانہ میں اس عالم میں کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔

وجہ تعیین نماز عصر : (۲) دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو مثلاً جب کہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش کئے جاتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے جس سے اپنے کمالات کے زوال کے احتمال قریب پر استدلال کرنا چاہیے اس روحانی حالت کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی ہے تاکہ اس زوال کے مالک کی طرف توجہ کرنا جالب اس کی رحمت کا ہو۔ نیز یہ ایسا وقت ہے کہ اس وقت کی غفلت کا کوئی تدارک نہیں۔ اس وقت کی غفلت جسمانیت پر بھی برا اثر ڈالتی ہے چنانچہ محمد ارزانی حکیم لکھتے ہیں کہ نوم آخر روز کہ مسمی است بہ فیلولہ باعث آفات کثیرہ است بہ ہلاکت می کشد۔ ترجمہ :۔ یعنی عصر کے وقت کی نیند جسکو عربی میں فیلولہ کہتے ہیں بہت بیماریاں پیدا کرتی ہے بسا اوقات اس وقت کی نیند سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ سو اس کا یہی مقتضی ہے کہ بجائے نوم وغفلت کے عبادت میں مشغول ہو۔

وجہ تعیین نماز مغرب : (۳) تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی کلّی امید منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے نام فرد قرار داد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ

تمہاری ہلاکت کیلئے گذر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام ہو سناکی کی امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے تاکہ اس طول امل کا معالجہ ہو۔

وجہ تعیین نماز عشاء : (۴) چوتھا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب بلا تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کیلئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو سو یہ حالت اس حالت سے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابلہ پر نماز عشاء مقرر ہوئی ہے تاکہ ان بلیات قریبۃ الوقوع باعتبار القدرۃ سے تم بہر کت طاعت کے محفوظ رکھے جاؤ اور رات اور تاریکیوں کو مصائب کے ساتھ اور دن اور روشنیوں کو آرام و نجات کے ساتھ قدرتی مناسبت ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر بھی اس قدرتی مناسبت کو یوں بیان کرتا ہے ؎

الم تر ان اللیل لما تراکمت دجاہ بداوجہ الصباح ونورہ

فلا تصحبن الیاس ان کنت عالما لبیباً فان الدھر شتی امورہ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اندھیری رات چھا جاتی ہے تو اسکے بعد صبح کا نور آیا کرتا ہے پس اگر تو دانا ہے تو ناامید نہ ہو کہ زمانہ کے مختلف امور ہوتے ہیں۔

وجہ تعیین نماز فجر : (۵) پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے اور تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے سو اس حالت نورانی کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے خدا تعالیٰ نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کیلئے ہیں۔

پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں وہ آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں، تم نہیں جانتے کہ یہ نیا دن کس قسم کی قضاؤ قدر تمہارے لئے لائیگا پس تم قبل اسکے کہ دن چڑھے، اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو تاکہ تمہارے لئے خیر وبرکت کا دن چڑھے یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو تو اس کی روحانیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور سویا ہو تو اسکی جسمانیت کو سخت ضرر پہنچتا ہے چنانچہ صاحب مفرح القلوب لکھتا ہے۔ امانوم بامداد کہ مسمی است بحیلولہ سخت زیاں دارد خاصتہً اگر معدہ خالی بود۔ ترجمہ : یعنی فجر کی نیند جسکو عربی میں بحیلولہ کہتے ہیں سونے والے کو سخت زیاں پہنچاتی ہے خاص کر اگر معدہ خالی ہو تو بہت زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔

اوقات نماز کیلئے اول و آخر حد مقرر ہونے کا راز : اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی وقت کے اندر اندر یعنی جس میں نماز پڑھنے سے زیادہ ذرا گنجائش نہ ہوتی نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور اوقات اوائل اواخر کیلئے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں۔

پابندی اوقات کی حکمتیں : پابندی اوقات میں ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معین کے آنے پر قلب انسانی میں بے اختیار جذب و میلان اس فرض منصبی کے ادا کرنے کیلئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قوی اس مفروض عمل کی طرف طوعاً و کرہاً منجذب ہو جاتے ہیں جونہی اس غیر مصنوعی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اس عمل سے متاثر ہو جاتا ہے گویا پابند صلوٰۃ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی تیاری اور فکر ہو جاتی ہے۔

باب الاذان

حکمت اذان نماز : نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے نیز حکمت الٰہی کا اقتضاء یہ بھی ہو کہ اذان کے اندر صرف اعلام اور تنبیہ نہ پائی جائے بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعار ٹھیرایا جائے اور لوگوں پر اسکے الفاظ پکارے جائیں اور اس نشان میں مذہب کی عزت کی جائے اور اسکا قبول کر لینا لوگوں کیلئے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اسلئے یہ بات ضروری ہوئی کر لینا لوگوں کیلئے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتیں سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کیلئے بلانا بھی اس میں پایا جائے کہ مضمون ہے حی علی الصلوٰۃ کا تاکہ جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحۃً سمجھ میں آجائے۔

کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ : ابن ماجہ میں حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ امر بلالؓ ان یجعل اصبعیه فی اذنیه قال انه ارفع لصوتك. یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلالؓ کو امر فرمایا کہ اذان دینے کے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیا کریں۔ فرمایا اس طرح کرنے سے تمہاری آواز بلند ہو گی۔

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کا راز : (۱) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذن دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو آواز بچے کے کان میں پہلے پڑتی ہے اس کا اثر اس کے دماغ میں مستقل اور اس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے اس لئے شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے کان میں اذان دینا ٹھیرایا کہ اس کی فطرت میں پہلی آواز جو اس کی ولادت کے بعد جا کر قائم ہو وہ توحید الٰہی اور رسالت نبوی کی آواز ہو کیونکہ وقت ولادت کی آواز بچے کی طرف وطبیعت میں کا لنقش فی الحجر ہو جاتی ہے۔

باب صفة الصلوٰة

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ : (۱) لوگوں میں قدیم الایام سے یہ طریق وعادت جاری ہے کہ جب کسی امیر و بادشاہ کی صفت و ثناء بیان کرتے ہیں تو اول اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں اور پھر ثناء اور مدح سرائی میں مشغول ہوتے ہیں اور نماز میں یہی امور عبادت قرار دیئے گئے ہیں اور عبادت کی روح جو کہ خشوع و خضوع ہے وہ بغیر سکون اور ترک التفات امور مختلفہ کے حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک کہ عابد اپنی عبادت میں ایک معین و مقرر طرف کا التزام نہ کرے اس وقت تک یہ سکون نہیں ہوتا اس لئے نماز میں ایک خاص سمت مقرر ہوئی۔

(۲) ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ ظاہری یک جہتی اختیار کرنا باطنی توجہ کو یک طرف کر دینے میں موید ہوتا ہے اسلئے نماز میں استقبال قبلہ لازم ہوا (۳) لازم ہے کہ جملہ خلائق کیلئے قبلہ ایک معین اور مقرر ہو تا کہ ان کا ظاہری اتفاق کا موید ہو اور جب باطن عبادات کے انوار و برکات کے حاصل کرنے میں سب متفق ہو جائیں تو اس سے تنویر دل میں عظیم الشان اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے چراغ کسی مکان میں ایک ہی جگہ روشن کئے جائیں تو ان سے بڑی روشنی حاصل ہوتی ہے اس لئے جمعہ اور جماعتیں مشروع ہوئیں۔ چنانچہ پانچوں جماعتوں میں ایک محلّہ کے لوگوں کا اتفاق و اجتماع اور جمعہ میں ایک شہر کے لوگوں کا اتفاق اور حج میں تمام جہان کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اتفاق انوار عبادات کے زیادہ کرنے کا خاص طور پر موجب ہوتا ہے اور چونکہ تمام جہان کے لوگوں کا ایک ہی مکان میں ہر وقت جمع ہونا مشکل ہے تو اس مکان کی جہت کو اس مکان کے قائم مقام کر کے نماز میں اس کے استقبال کا حکم ہوا۔

(۴) بہت صاف امر ہے اور عقل حقیقت شناس کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں کہ اس ہادی کو جس نے تمام دنیا کے متعارف عبادت کے طریقوں کے جن میں کہ شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور تھا اسلئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے

جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے ایک بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اس پہلی تلقین و تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نماز میں جب ادھر رخ کرتے ہیں تو یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اس مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلاء کلمتہ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۵) ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور اس طرف کو آداب و نیاز بجالانے کو ہر شخص صاحب خانہ کیلئے سمجھتا ہے جیسے اگر کسی تخت نشین کے تخت کی طرف جھک کر سلام کریں تو وہ صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں چنانچہ لفظ بیت اللہ اس جانب مشیر بھی ہے کہ خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحب خانہ مقصود ہے۔

نماز کیلئے مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی کا راز : (۱) بادشاہوں کے دربار میں نظافت و طہارت مکان و لباس کا بھی لحاظ ہوتا ہے ان کے دربار میں شامل ہونے والوں کیلئے پاک اور ستھری جگہ کا اور صاف لباس میں ہو کر داخل ہونے کا لحاظ ضروری ہوتا ہے پس جیسا کہ لباس کی صفائی اور مکان کی ستھرائی بادشاہوں کو پسند ہوتی ہے ایسا ہی اس خالق الکل و احکم الحاکمین و مالک الملک پاک ذات کو پاکیزگی اور ستھرائی لباس اور مکان کی اور نظافت دل کی مد نظر ہے کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک کو چاہتا ہے اور ہر قسم کی گندگی اور میل سے اس کو نفرت و کراہت ہے بلکہ دوسرے بادشاہ بھی چونکہ اس پاک ذات کی تجلی دست قدرت سے قائم ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی پاکی و نظافت کا لحاظ اسی پاک ذات کے پرتو سے دلنشین ہوتا ہے جو کہ عین مناسب فطرت صحیحہ و سلیمہ ہے اور خدا تعالیٰ تو بالذات پاک ہے پس وہ پاکی اور طہارت کو بدرجہ اولیٰ چاہتا ہے اس لئے نماز میں پاکی مکان کی اور ستھرائی لباس کی ضروری شرائط قرار دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے **وثیابك فطهر والرجز فاهجر** یعنی اپنے لباس کو پاک کر اور گندگی سے کنارہ کر۔

(۲) ناپاکی اور میل سے شیاطین کو مناسبت ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی حضور میں کھڑے ہونے کے وقت شیاطین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی اشیاء سے بکلّی قطع تعلق اور کنارہ چاہیے ورنہ حضور دل میں خلل ہوگا۔

نماز کیلئے تعیین ارکان وشروط کا راز : اگر لوگوں کیلئے عبادت کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ پس احکام آلہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ انکے لئے اوقات وارکان وشروط سب قرار دیئے جائیں۔ اور چونکہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کیلئے خضوع کا ہونا اور اسکی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے خارج میں بھی اسکے واسطے کوئی ایسا امر ہونا چاہیے جس سے اسکا انضباط ہو سکے اسلئے نبی ﷺ نے اسکو دو چیزوں میں منضبط کیا ایک تو یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اسکی زبان اور تمام اعضا اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان فی جسد ابن آدم مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله. یعنی آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے یعنی قلب۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اس لئے زبان اور دیگر اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اسکا مقام قائم ہوتا ہے۔ اور اسی چیز سے قلبی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اس لئے ان باطنی حالات مطلوبہ کے مناسب ظاہری ارکان وشروط مشروع فرمائے گئے۔

حقیقت نماز : (۱) جب آدمی اپنے پروردگار سے کسی مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اسکی ہمت کا جو کہ اس درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے چنانچہ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے پس نماز میں اصل المور تین ہیں۔ (۱) خدا تعالےٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دل سے عاجزی کرنا (۲) خدا تعالیٰ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو بذریعہ زبان خوش

بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضا میں ادب کا استعمال کرنا۔ چنانچہ اس امر میں کسی کا شعر ہے ؎

افا دتکم النعماء منی ثلاثۃ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تم کو حوالہ کر دیں۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل۔ افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے کیونکہ تمام لوگوں اور بہائم میں فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیاز مندی اور فروتنی کی علامت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے **فظلت اعناقھم لھا خاضعین**. یعنی ان کی گردنیں عاجزی سے اس نشانی کے سامنے جھک جائیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اسکے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضا میں سب سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنے سلاطین اور امراء کے حضور میں انہی کو استعمال کرتے ہیں اور ان سب صورتوں میں وہ صورت سب میں عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اسکے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالات سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو تاکہ دمبدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا اور نماز میں یہی عمدہ صورت پائی جاتی ہے اور یہی تقرب کے اعمال اسی ترتیب سے اس میں اصل قرار دیئے گئے ہیں۔

نماز میں ناف کے نیچے یا ناف اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی وجہ : ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت و ستر عورت کی التجا اور ناف پر ہاتھ باندھنے میں اکل و شراب حلال ملنے کا ایماء اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں سچ اور حق پر ثابت رہنے کی اور شرح صدر کی دعا ہے

جماعت کے درمیان خالی جگہ چھوڑنے کی ممانعت کی وجہ : حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں ملکر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے۔

نماز میں مؤدب کھڑا ہونے کی حکمت : نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا نفس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں مؤدب کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کیلئے ہے جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اسی طرح نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا خدا کے ماننے والے کی فطرت کا تقاضا ہے اور فرمانبرداری کے لئے جھکنا ایک تواضع ہے اور سجدہ میں گرنا کمال عبودیت کا اظہار ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا راز : ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں سب چیزیں تیری ہیں ان کا تو ہی مالک ہے میں خالی ہاتھ محتاج و فقیر تیری عطاو بخشش کا طالب و امیدوار بن کر تیرے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ میں تمام طاقتوں اور قوتوں سے خالی ہوں۔ سب قوتوں اور طاقتوں کا تو ہی مالک ہے پس اس کار خیر عبادت میں میری مدد فرما۔ حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں فیر فع یدیه الی الله معترفا ان الاقتدار لك لالی وان یدی خالیة من الاقتدار. یعنی خدا کی طرف دونوں ہاتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوا اٹھائے کہ طاقت اور قوت تیرا حق ہے مجھے کوئی قدرت و طاقت نہیں پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھادے تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آگیا۔

تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ : تکبیر تحریمہ میں عورت کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے نیچے ہے اور عورت کے ستر حال کے مناسب بھی۔ اسی حد تک ہاتھ اٹھانے میں۔

نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ : (۱) نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا اظہار سوال و احتیاج و افتقار و مسکنہ و عجز و نیاز و زاری و ذلت کی طرف ایما ہے کیونکہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اسلئے اس میں مقصود بندگان شاہی سے اس حالت میں مشابہت کا اظہار ہے جبکہ وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اس حالت میں وہاں عاجزانہ درخواست کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی دعا کرنے سے یعنی اھدنا کہنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور اسی لئے نماز میں ایسی ہئیتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں چنانچہ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی از سر تا پا مؤدب ہو کر کھڑا ہونا پڑتا ہے الغرض نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا قانون فطرت کی رو سے بھی بندگی کیلئے مناسب ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کی وجہ : آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **لا یزال اللہ تعالیٰ مقبلا علی العبد وھو فی صلوتھا لم یلتفت فاذا یلتفت اعرض عنہ.** ترجمہ :۔ یعنی جبتک بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ برابر اسکی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہ دیکھے پھر جب وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکی طرف متوجہ نہیں رہتا۔ یعنی خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت اس سے ہٹ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اسکے لئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم نہیں رہتا بلکہ اپنی اغراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے جب ایک دنیاوی بادشاہ و حاکم کے دربار میں جاتا ہے تو اس کے روبرو نہ ادھر ادھر دیکھتا ہے

نہ کسی اور سے کلام کرتا ہے نہ کوئی اور نامناسب کام کرتا ہے تو احکم الحاکمین کے دربار میں ایسے امور کب جائز ہو سکتے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ فلا یمسح الحصی فان الرحمتہ اتواجہ. ترجمہ :۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اسکے روبرو ہوتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصح فیھا شئ من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقرأۃ القران. ترجمہ :۔ یعنی نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے نماز تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ :(۱) سبحانک اللھم بمنزلہ سلام دربار کے ہے۔

(۲) بنی آدم میں یہ فطری امر ہے کہ جب کسی عالی شان امیر کبیر سے سوال کرتا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے تو پہلے اس کی مدح و ثنا اور اسکی بزرگی و جلال اور اپنی ذلت و انکسار بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے وہی طریقہ یہاں بھی سکھایا گیا ہے تاکہ نفس انسانی کو خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہی ہو اور دل میں کمال حضور و انکسار پیدا ہو۔

ثناؤ استفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز : نماز میں ثناء کے بعد اعوذ پڑھنا اس واسطے مقرر ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاذا قرأت القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم. ترجمہ :۔ یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو شیطان مردود کے مکر سے اور اسکے وسواس سے بچنے کیلئے خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کر چونکہ فاتحہ و سورۃ قرآن سے ہیں اسلئے ان سے پہلے اعوذ پڑھنا ضروری ٹھیرا۔

ابتداء فاتحہ میں قرأت تسمیہ کی وجہ : ابتداء فاتحہ میں بسم اللہ پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کیلئے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا۔

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز : نماز میں فاتحہ پڑھنا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ جامع دعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کرنے کیلئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد و ثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اسی طرح خاص ہم سے استعانت چاہتے ہیں اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اسطرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہے مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگا کرتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے فاتحہ میں اول خدا تعالیٰ کی تعریف اور اسکی تربیت عام اور اسکی رحمت عامہ اور خاصہ اور اسکی مالکیت اور اختیار جزا و سزا کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کا راز : جبکہ فاتحہ عرض و سوال ہے تو سورۃ قرآن کا اس کے بعد پڑھنا اس سوال و عرض کا جواب ہے جس میں مفصل طور پر تمام انسانی کامیابیوں کا راز ہے جب سوال اھدنا الصراط المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت ذالك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين کے یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اس کی امید پوری ہو گئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب و نیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا یہ حکمت بین ہے کہ رکوع و سجود مثل آداب نیاز کے ہیں جو عطائے انعام کے وقت بجالائے جاتے ہیں گویا بندہ کا اپنے خدا تعالیٰ سے طلب ہدایت کا سوال ایسا ہوتا ہے جیسا مریض طبیب سے دوا کی درخواست کرتا ہے کہ امراض اعمال نامناسبہ و اعتقادات رویہ سے خلاصی ہو پس خدا تعالیٰ اسکو فرماتا ہے کہ اپنے مرضوں کے رفع کی دوا میرے کلام سے لو اور اس سے کچھ پڑھ لو یہی ایک دوا عام امراض فسق و شرک و ریاؤ کبر حسد و حقد وغیرہ کے لئے کافی و شافی ہے اسکی تلاوت سے تم کو اپنی بیماریوں کی دوا ملے گی اس لئے نمازی فاتحہ کے علاوہ کچھ قدر قرآن کریم سے بھی پڑھتا ہے گویا فاتحہ ایسی ہے جیسے مریض طبیب کے آگے اپنا حال زار بیان کرتا ہے اور فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کرنا ایسا ہے جیسا کہ طبیب کو بیمار

کو دو ابتاد ینا اور اسکو اس کا شکریہ سے قبول کر لینا۔

حقیقت رکوع و سجود : (۱) غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود ان دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کو وقت سوال و استماع مژدہ انجاح حاجت ہونی چاہیئں۔ جیسا اوپر ابھی مذکور ہوا۔

(۲) جب احکم الحاکمین کا پروانہ قرآن کریم پڑھا گیا تو اس کی امتثال امر کیلئے جھکنا اور سجدہ کرنا جو اطاعت و فرمانبرداری پر دلالت کرتے ہیں لازم ہوا کیونکہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکمنامہ آتا ہے اور ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اس حکمنامہ کی اطلاع یابی و اطاعت کا ایک نمونہ ظاہر ہوا کرتا ہے سو رکوع و سجود اس حکم الہی کی اطاعت پر دال ہیں جو انکو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

(۳) خدا کی عظمت کے خیال کرنے کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیے عالم اجسام میں اس کیفیت کے قائم مقام اور اسکے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جسکو اصطلاح اسلام میں رکوع کہتے ہیں اور اسکے علو مراتب غیر متناہیہ کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسکے مقابلہ میں اور اسکے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو کہ محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اسکے خاک آستانہ پر رگڑے اسکو اسلام میں سجدہ کہتے ہیں۔

(۴) نماز میں انسان کو خدا تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمت گاران میں سے ہے یہ نماز کا پہلا حصہ ہے پھر رکوع جو دوسرا حصہ ہے یہ بتلاتا ہے کہ وہ تعمیل حکم الہی کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ جو تیسرا حصہ ہے کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو کہ عبادت کا مقصود ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ آداب اور طریق میں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔

نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ : سجدہ اول نفس کو اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے

ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔

سورۂ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت : انسان کا خاصہ ہے کہ اسکے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار میں کچھ نہیں پڑتا اسی طرح انسان کے دل کا زنگ جو کہ اسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے ایک دفعہ کے تذکار سے دور نہیں ہوتا۔ قانون قدرت میں بھی محسوسات میں جو زنگ زدہ اشیاء ہیں۔ وہ ایک دفعہ کے مصقلہ پھیرنے سے روشن اور چمکدار نہیں ہوتیں اسی طرح سورہ فاتحہ بھی بڑی بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا مصقلہ تھی اسی واسطے ایک نماز میں یہ کئی بار پڑھی جاتی ہے۔

پنجگانہ جماعت و جمعہ و عیدین و حج کی عبادات میں اہل اسلام کے جمع ہونیکی حکمتیں : قرب وجوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا اور پھر شانہ سے شانہ جوڑ کر اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی سچے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے پھر ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف اور مظف ہو کر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوا کریں اور ایک عالم ضروریات قوم پر بلیغ تقریر (یعنی خطبہ) حمد و نعت کے بعد کیا کرے۔ اور عیدین میں سال میں دوبار کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی ایک شوکت مجسم اور کثیر جماعت بن کر دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھایا کریں اور عمر بھر میں ایک بار اس پاک زمین میں یعنی اس فاران میں جہاں سے اولاً نور توحید چمکا کل عالم کے خدادوست حاضر ہوا کریں اور ساری بچھڑی ہوئی متفرق امتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوا کریں اور وہاں نہ اس مٹی اور پتھر کے گھر کی بلکہ اس رب الارباب معبود الکل کی جس نے اس ارض مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان واعظ بیظیر ہادی نکلا حمد و ستائش کیا کریں اسی طرح جماعت مختلفہ ہر سال اس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھ کر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دل میں پیدا

کیا کریں جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے سخت جہالت ہے۔ اگر کوئی اہل اسلام جیسی موحد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگادے۔ ایسے معترض شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مد نظر رکھ کر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیے کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کی طبائع میں بت پرستی ہوتی تو ان کو اپنے ہادی نبی محمد مصطفےٰ ﷺ کے روضہ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تاکہ توحید الٰہی کا پاک سرچشمہ ہر قسم کے شائبوں اور ممکن خیالات کے گردو غبار سے پاک وصاف رہے اور مخلوق کی فوق العادۃ تعظیم کا احتمال بھی اٹھ جائے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونیکی وجہ : چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کیلئے اسکو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہ ہو تا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے کے درمیان میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے لایا جائے تاکہ رکوع سجدہ سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر دونوں ایک مستقل عبادت ٹھیریں اور ہر ایک کے لئے نفس کا ارادہ جدا ہو تاکہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ و آگاہی بھی جداگانہ ہو اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔

نماز میں تعیین جلسہ کا راز : دو سجدے آپس میں اس وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل انکے درمیان میں حائل ہو جائے اس لئے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہوتا اور آدمی کی سبکساری پر دلالت کرتا جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے اس لئے ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حکمت تکرار بوقت رکوع و سجود : (۱) ہر مرتبہ جھکنے اور سر اٹھانے کے وقت تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ نفس کو ہر مرتبہ خدا کی عظمت اور اسکی کبریائی پر آگاہی اور تنبیہ ہوتی رہے اور اسکو

اپنی ذلت اور مسکنت پر توجہ پڑتی ہے۔

(۲) دوسرے اس امر میں یہ حکمت ہے کہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے ہیں۔

ظہر و عصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب و عشاء و فجر میں جہری قرأت

پڑھنے کی وجہ : ظہر و عصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب و عشاء و فجر کی نمازوں میں بلند قرأت پڑھنے کا تقرر نہایت مناسب اور حکمت الٰہی پر مبنیٰ ہے کیونکہ مغرب و عشاء و فجر میں لوگوں کو اکثر شواغل و اقوال و اصوات و حرکات میں خاموشی اور ان سے سکون و آرام ہوتا ہے اور ان وقتوں میں انکے افکار و ہموم بھی کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات کی قرأت دلوں میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے کیونکہ دل تو افکار و ہموم سے خالی اور صاف ہونے سے اور کان اور شواغل و حرکات و اصوات کے نہ ہونے سے سمجھنے اور سننے پر آمادہ ہوتے ہیں چنانچہ رات کی بات کہی ہوئی کانوں سے گذر کر سیدھی دل پر جاکر لگتی ہے اور پکی اور مؤثر ہوتی ہے اس امر کی طرف خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأو اقوم قیلاً. ترجمہ :۔ یعنی رات کے اٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا اور کچلا جاتا ہے اور بات کہی ہوئی دل پر موثر اور پکی ہوتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے غرض یہ امر مسلم ہے اور تجربہ بھی اسی امر کا گواہ ہے کہ خوش الحان آدمیوں اور پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آوازرات کو بہ نسبت دن کے دلوں کو زیادہ موثر اور خوش معلوم ہوتی ہے لہٰذا ان اوقات میں جہری قرأت پڑھنی مقرر ہوئی جس میں وہ زیادہ موثر ہو۔

اسی طرح ظہر و عصر کی نمازوں میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور و شغب رہتا ہے اور اس لئے اوقات ظہر و عصر میں کثرت شواغل و حرکات و اصوات و متفرق امور و افکار سے دلوں کو فراغت کم ہوتی ہے اور بات پر خوب توجہ نہیں جمتی اس لئے ان وقتوں میں قرأت میں جہر نہیں مقرر ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی اسی امر کی

طرف خدا تعالیٰ نے ایما فرمایا ہے۔ ان لك فی النهار سبحاً طویلاً. ترجمہ :۔ یعنی دن میں تجکو دور دراز شغل رہتا ہے اور اسوقت پوری توجہ نہیں ہوتی اور رات میں دل کو زبان سے اور زبان کو کان سے پوری موافقت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت کا پڑھنا سنت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیت تک پڑھتے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورہ بقر اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورہ نمل اور سورہ ہود اور سورہ بنی اسرائیل اور سورہ یونس وغیرہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور مصلحت ہے کہ پہلے پہلے جو آواز کان سے گذر کر دل پر پڑے وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہو جس میں انسان کیلئے سراسر بھلائی اور برکت اور خیر و خوبی بھری پڑی ہے اور اس وقت وہ کلام دل میں بلا مزاحمت موثر ہوتا اور دل میں خوب جم جاتا ہے۔

جمعہ و عیدین وغیرہ میں جہری قرأت کی وجہ :جب دن کے وقت کوئی ایسی نماز پیش آجاوے جو نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام و تعلیم و وعظ و تربیت و تلقین کیلئے مقرر کی گئی ہو تو وہاں قرأت دن میں جہر اور آواز سے پڑھنی مقرر ہوئی ہے مثلاً جمعہ و عیدین اور استسقاء اور بعض آئمہ کے نزدیک کسوف کی نمازوں میں قرأت جہری پڑھی جاتی ہے کیونکہ ان وقتوں میں قرأت کا جہر سے پڑھنا لوگوں کے جمع ہونے کے مقصود کو مفید ہوتا ہے یعنی لوگوں کے لئے تعلیم و تبلیغ احکام اسلام و وعظ بھی اغراض ہوتے ہیں لہٰذا ایسے موقعوں پر جہری قرأت کا پڑھنا ٹھیرایا گیا کیونکہ ان موقعوں پر عام لوگوں کے بڑے بڑے گروہوں کو خدا تعالیٰ کا کلام سنایا جاتا ہے اور انکو تبلیغ احکام کی جاتی ہے کیونکہ انکو ایسے اجتماع کا موقع دیر کے بعد ملتا ہے اور یہ امر رسالت کے اعظم مقاصد میں سے ہے چنانچہ اس امر کے متعلق علامہ حضرت ابن قیم یونہی فرماتے ہیں۔ اذا عارض فی فلك معارض ارجح منه کالمجامع العظام فی العیدین والجمعة والاستسقاء والکسوف

فان الجهر حنيئذٍ احسن وابلغ فی تحصيل المقصود وانفع للجمع فيه من قرأة كلام الله عليهم وتبليغه فی المجامع العظام ماهو من اعظم مقاصد الرسالة.

الغرض ایسی نمازوں میں قرآن پاک کا جہر سے پڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ لوگوں کو قرآن کے اندر تدبر کا موقع ملے اور اسمیں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرر خطبہ کی وجہ : نماز جمعہ وعیدین وکسوف واستسقاء میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تاکہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور تبلیغ اسلام و تلقین احکام الٰہی انکو کماحقہ ہو جاوے اور وہ واقف وعالم ہو جاویں اور جو لوگ باوجود واقف وعالم ہونے کے غافل ہیں ان کیلئے یاد دہانی ہو جاوے اور وہ ہوشیار ہو جائیں۔

نماز کے ہر دو رکعت کے درمیان التحیات مقرر ہونے کی وجہ : چونکہ اصل میں نماز دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی اور باقی رکعتیں انکی تکمیل کے واسطے ہیں اس واسطے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوا تاکہ اصل اور فرع میں تمیز ہو جاوے اور اسی تمیز کیلئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہوا اور آخری دو رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نماز میں تقرر تحتیہ کی وجہ: جب حکم نامہ الٰہی کے پڑھنے سے فراغت ہوئی تو حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت عطا ہوئی اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے ہو تو اس وقت دو زانو بیٹھ کر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہ تیری ہی حضور کے لائق ہے لہٰذا میرا سارا مال وبدن اس امر کیلئے تیرے حضور میں ہے۔

تحیۂ نماز میں آنحضرت ﷺ پر سلام مقرر ہونے کا راز : نماز میں نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بھی سلام مقرر کیا گیا تاکہ نبی ﷺ کی یاد دل سے نہ بھلائیں اور انکی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور نعمت اسلام اور آپکی تبلیغ رسالت کی قدردانی کریں اور اسکے شکریہ میں آپ پر سلام بھیجیں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جو لوگوں کا شکر گذار نہ ہو وہ خدا کا کب شکر کر سکتا ہے اس طرح سے آنحضرت ﷺ کا کچھ حق ادا ہو جائے گا لہٰذا تحیۃ میں آنحضرت ﷺ پر سلام مقرر ہوا۔

تحیۂ نماز میں عام مومنین و صلحا پر سلام مقرر ہونے کی حکمت : نماز میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں سلام کو عام کر دیا گیا یعنی ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب بندے کی زبان سے یہ نکلا تو ہر ایک نیک بندے کو جو کہ آسمان و زمین میں سے ہے سلام پہنچ جائے گا۔ اس میں تعمیم سلام حق ہمدردی بنی نوع کی بجا آوری کیلئے ہے۔

حکمت اشارہ بالسبابہ : حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ اسمیں بھید یہ ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں۔

نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ : نماز میں ان امور کے عمل میں لانے کا حکم ہے جو وقار اور عادات حسنہ پر دال ہوں اور ان کو عاقل پسند کریں اور ایسے عادات نماز میں ظاہر نہ ہونے چاہیں جن کو غیر ذوی العقول کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا۔ کتے کی طرح بیٹھنا' لومڑی کی طرح زمین پر لیٹنا' اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھانا۔ اور ایسے ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا ان لوگوں کو ہوتی ہیں جن پر عذاب نازل ہوتا ہے ان سے بھی احتراز کرنا چاہیے مثلاً کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔

تشہد کے بعد درود دعا کی وجہ : تشہد کے بعد دعا کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو دعا نمازی کو پسند ہو وہ کرے یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا بیان کرنا اور نبی ﷺ کا توصل کرنا ضروری ادب ہے یعنی آنحضرت ﷺ پر صلوٰت و سلام و برکات کے تحفے بھیجے جائیں تاکہ دعا مستجاب ہو جائے پھر اسکے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت و ہدایت وغیرہ ضروریات دین کر کے نماز کو ختم کرنے کیلئے داہنے بائیں طرف منہ کر کے **السلام علیکم ورحمة الله** کہ کر نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ : داہنے بائیں سلام پھیرنے میں اشارہ ہے کہ وقت نماز میں گویا میں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر اسکی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اسکے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آیندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں ؎

جاں سفر رفت و بدن اندر قیام :: وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

فرضوں کے قبل اور بعد سنتیں مقرر ہونیکی وجہ : اصل بات یہ ہے کہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوتی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اسکا استعمال کیا کریں تاکہ فرائض کے اندر شروع کرنا ایسے وقت میں پایا جائے کہ تمام مشغلوں سے دل خالی اور سب سے خاطر جمع ہو۔ یہ تو قبل کی سنت کی حکمت ہوئی اور بسا اوقات آدمی اسطرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ بوجہ عدم رعایت آداب نماز کا فائدہ اسکو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کیلئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے تاکہ جو کمی و قصور فرائض میں ہو سنتوں کے ذریعے سے تکمیل ہو اور جبر کسر ہو جائے۔

چار گانہ آخری دو رکعتوں میں سورت ضم کرنے کا راز : دراصل ابتداء میں نماز دو رکعتیں ہی مقرر ہوئی تھی بعد ازاں خدا تعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل واکمال کیلئے ظہر و عصر وعشاء کے فرائض کے ساتھ دو دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت ملائی اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے تو اسکے ساتھ اسکے نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حیثیت ودرجہ میں اس سے ادنیٰ ہو پس اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جاتیں جو ہر درجہ وہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کی برابر ہوتیں تو جبر وکسر واکمال رکعتیں کی حکمت ضائع ہو جاتی اور خود پہلی دو رکعتوں کا جبر کسر اسی مصلحت سے ہوا کہ بسا اوقات حضور و توجہ یا فہم یا قرأت میں یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص وکسر رہ جاتی ہے اسلئے اس کے عوض میں دوسری رکعتیں ملائی گئیں۔

جماعت نماز کی اور اس میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ : نماز میں جو جماعت رکھی ہے اور جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہ غرض ہے کہ اس سے قوم میں وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی محاذی ہوں اور صفت سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے اطوار دوسرے میں سرایت کر سکیں اور باہم وہ امتیاز جس میں خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

حقیقت تحیۃ نماز : عبادات فقط اللہ جل شانہ ‘ہی کا حق ہے کسی قسم کی عبادت میں اسکا کوئی شریک نہیں اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی ہے کہ کوئی اسکا شریک اور ساجھی ہو یہ حاصل ہے التحیات للہ کا پھر اس سے آگے ہے السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته‘ اسکی حقیقت یہ ہے کہ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں فطرۃ پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم پر کیسے کیسے احسانات ہیں وہی ہیں جنکے ذریعہ

سے ہم نے خدا کو جانا مانا پہچانا وہی ہیں جنکے ذریعہ سے ہم نے خدا کے اوامر و نواہی اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کی راہیں معلوم ہوئیں وہی ہیں جنکے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ یعنی اذان اور نماز ہمیں میسر ہیں۔ وہی ہیں جنکے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں، وہی ہیں جنکے ذریعہ سے لا الہ الا اللہ کی پوری حقیت ہم پر منکشف ہوئی وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ غرض آنحضرت ﷺ کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ ان کے انعامات کثیرہ کے غلطی سے بجائے اس کے کہ ان کو خدا نمائی اور خدا شناسی کا ایک آلہ سمجھتے انہی کو خدا بنا لیا اور توحید سکھانے والے لوگوں کو خود واحد و یگانہ مان لیا اور انکی تعلیمات کو جو نہایت ہی خاکساری اور عبودیت سے بھری ہوئی تھیں بھول کر ترک کر دیا اور انہی کو معبود یقین کر لیا ہم مسلمان بھی ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس امت مرحومہ پر رحم کرنے اور اسے خطرناک ابتلاً سے بچانے کیلئے محمدًا عبدہ، ورسولہ کا جملہ ہمیشہ کیلئے توحید الٰہی لا الہ الااللہ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے شرک سے بچا لیا بلکہ اسی باریک حکمت کیلئے آنحضرت ﷺ کی قبر بھی مدینہ منورہ میں بنوائی مکہ معظمہ میں نہیں رکھی کیونکہ اگر مکہ معظمہ میں آپکی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آجاتا یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات پر اعتراض کرتے مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظمہ میں جانب شمال سے جانب جنوب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو انکی پیٹھ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجے جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے بنادی اور اسی طرح سے جن جن باتوں میں اس بات کا وہم و گمان بھی ہو سکتا تھا۔ کہ کوئی انسان آپ کو خدا بنالے گا یعنی آپکے شریک فی الذات یا فی الصفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا ان کا خود خدا نے اسلام کی سچی اور پاک تعلیم میں ایسا بندوبست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ احسان ہونا

انسان کی فطرت کا تقاضا تھا اس واسطے اسکی ایک راہ کھولدی کہ ہم آپ کیلئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرت ﷺ کے واسطے السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته' کا پاک تحیۃ پیش کرتا ہے اور درد دل سے شکر گزار ہو کر گویا کہ آپکے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپکی ایسی محبت پیدا کرلیتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ اسکے سامنے موجود ہیں آپکے حسن احسانات کے نقشہ سے آپکا وجود حاضر کی طرح سامنے لاکر کہ حقیقۃً حاضر جان کر مخاطب کے رنگ عرض کرتا ہے جس سے حقیقۃً حق تعالیٰ سے آپ کیلئے دعا ہے السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته'. ترجمہ :۔ یعنی اے نبی تجھ پر خدا کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ اور پھر رسول ﷺ کے بعد جو آپکے دین کے سچے خادم یعنی صحابہؓ 'اولیاء اللہ 'اصفیا' 'اتقیا' اور ابدال آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے انکے واسطے بھی بوجہ ان کی حسن خدمات کے کہ انہوں نے بعد رسول کریم ﷺ ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے دعا تعلیم کی گئی۔ یعنی السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین.

جلسہ تحیۃ کے بعد درود نبوی پڑھنے کی حکمت : اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمدٍ کما صلیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ ال ابراهیم انك حمید مجید . اللهم بارك علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلیٰ ال ابراهیم انك حمید مجید۔ ترجمہ :۔ یعنی اے اللہ رحمت بھیج محمد اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں انکا نام ہے درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے اور علوم اور عقائد سے خوشحال ہو جاویں تو یہ سب فیضان اور احسان ہم پر حقیقت میں نبی کریم ﷺ ہی کا ہے اگر آپ کے دل میں ہمارا درد اور جوش

نہ ہوتا تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول ہمارے لئے کیسے ہوتا اگر آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتیں تو یہ پاک دیں ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ پھر غور کا مقام ہے کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہو جانا ہماری فطرت سلیم کا تقاضا ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہوگا پس اسی جوش کا اثر ہے یہ درود جو کہ دعا ہے۔

امامت نماز و جماعت کی حکمت : جب کسی امر کا اظہار بزور منظور ہوتا ہے تو اسکو عملی صورت میں لاکر دکھاتے ہیں چونکہ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیاء میں اعتدال جب ہی قائم رہتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو۔ پس خدا نے وحدت واتفاق کو عالم تشریعی کے اندر جماعت وامامت نماز کی صورت میں دکھایا نظام شمسی کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے سارے اجرام صغیرہ پیدا کر کے ان سب کا امام اکبر واعظم آفتاب کو بنایا اور سارے خوردو بزرگ اجسام واجرام کو اسکے ماتحت ٹھیرایا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلاسل خوردو بزرگ آفتاب تک بتدریج پہنچتے ہیں پس جو شکل خدا نے عالم کون و قانون قدرت میں پیدا کی ہے وہی صورت جماعت امامت نماز عالم تشریعی میں ظاہر کر کے بنی آدم کو ظاہری وباطنی اتفاق کیطرف ایما فرمایا اور دکھادیا کہ اتفاق ووحدت ہی کی برکت ہے جس کے ساتھ دنیا کا قیام ہے۔ پس جبکہ عالم اجسام میں ہر وقت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے تو پھر کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ خدا نے روحانی عالم کے قیام کے لئے کوئی روحانی امام مقرر نہ کیا ہو جس تک بتدریج یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہو۔ سو وہ انبیاء ورسل اور انکے خلفاء ہیں پس نماز کی امامت میں اسی روحانی رابطہ واتحاد کی طرف ایما ہے جنکا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر منتہی ہوتا ہے۔ اور آپکی نیابت میں اسکا ظہور ائمہ صلوٰۃ کی صورت میں ہوتا رہتا ہے پس جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے اور جماعت کا قائل نہیں وہ مرتبہ اعتدال کو چھوڑتا اور خدا تعالےٰ کے قانون قدرت اور عالم تشریعی سے خارج ہو کر باغی

ہوتا ہے۔

جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی : سوال :۔ نماز کیوں ایک ہی وقت مقرر نہ ہوئی پانچ وقت کیوں ہوئی ؟

جواب :۔ جیسا کہ جسم کی تقویت کیلئے بار بار غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی روح کی صحت و صفائی و تقویت کیلئے روحانی غذا کی ضرورت انسان کو بالاولیٰ ہے تعجب ہے کہ سائل کہتا ہے نماز ایک ہی وقت کیوں مقرر نہ ہوئی ہم کہتے ہیں کہ جب تم جسم کی تقویت کیلئے کئی بار دن میں غذا کھاتے ہو روح جو لطیف ترین و نازک ترین چیز ہے اسکی صحت و صفائی اور قوت قائم رکھنے کیلئے دن میں کئی بار غذا کھاتے ہیں تو روحانی غذا کیلئے رات دن میں پانچ وقت مقرر ہوئی تو کیا حرج ہے۔

حقیقت جماعت پنجگانہ و جمعہ و عیدین و حج : جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہو کر اور ملکر اس کی عظمت و جبروت کو بیان کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جسکے ہر محلّہ میں پنجگانہ جماعت نماز نہ ہوتی ہو لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگان شہر و قصبہ کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہوتی اسلئے تمام شہر و قصبہ کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کیلئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا اور پھر اسی طرح دیہات کے لوگوں کے اجتماع کیلئے عید کی نماز تجویز ہوئی اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا۔ اسلئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا لیکن اسکے بعد پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے۔ اس لئے کل اہل اسلام کے اجتماع کیلئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تاکہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا باہم ملجاویں لیکن اس کیلئے چونکہ ہر مسلمان امیر و فقیر کا شامل ہونا محال تھا اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے۔

نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز : احادیث نبویہ میں کچھ کلمات وادعیہ

مسنونہ وارد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی عالیشان دربار سے رخصت ہونیکے وقت آداب وسلام بجالاتے ہیں اور یونہی چپ چاپ رخصت نہیں ہوتے بلکہ دربار سے رخصت ہونیکے وقت بھی آداب ونیاز وعرض حال کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ادائے فرض کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ **اللھم انت السلام ومنك السلام واليك يرجع السلام تباركت ربنا وتعاليت ياذاالجلال والاكرام.**

ترجمہ :۔ اے اللہ تو سلام ہے اور سلامتی تیری طرف سے مل سکتی ہے اور سلامتی کا مرجع تو ہی ہے بڑی برکت والا ہے اے جلال اور عزت والے۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سی اوعیہ ہیں جنکو آنحضرت ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں سترہ کا راز : اس میں بھید یہ ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اسکی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز اس حالت کے ساتھ تشبیہ مراد ہے جو غلام کو اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کیلئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی ہے کہ کوئی گذرنے والا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گذرے کیونکہ آقا اور اسکے غلاموں کے درمیان سے جو اسکے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ حضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ **ان احدكم اذا قام فى الصلوٰة فانما يناجى ربه بينه وبين القبلة** ترجمہ :۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کرتا ہے جو کہ اسکے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔

نیز نمازی کے سامنے گذرنے سے اسکا دل اکثر بٹ جاتا ہے اسی واسطے نمازی کو استحقاق ہے کہ آگے سے گذرنے والے کو ہٹادے۔ پس ان دونوں حکمتوں سے سترہ مقرر کیا گیا تاکہ اسکے

باہر سے گذرنے میں ان دونوں خرابیوں سے حفاظت رہے اسی کو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا وضع احدکم بین یدیه مثل مؤخرة الرجل فلیصل ولایبال بمن مروراء ذلك. ترجمہ :۔ یعنی تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھتا رہے اور اس سے پرے کو جو کوئی گذرے اسکی کچھ پرواہ نہ کرے۔

اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ مطلق گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین دوسری زمین سے علیحدہ ہو جاوے اور اس علیحدگی کے سبب پاس سے گذرنا بھی طبعًا ایسا ہی سمجھا جاوے جیسے دور سے گذرنا

مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ : مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے بتوں کی طرح اولیاء اور علماء کی قبروں کی پرستش نہ شروع کر دیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور ﷺ کی مراد اس فرمانے سے یہ ہی ہے کہ لعن الله الیهود والنصاریٰ التخذوا قبور انبیاء هم مساجد. ترجمہ :۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

غروب و طلوع و استواء آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ان اوقات میں آفتاب کی پرستش کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اسلئے خدا نے ان کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو کہ سب عبادتوں میں بڑی ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور کفر میں تمیز اور فرق کیا جاوے۔

حمام میں منع نماز کی وجہ : حمام میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور حضور دل سے انسان وہاں اپنے پروردگار کے آگے التجا نہیں کر سکتا۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ : جہاں اونٹ باندھے ہوں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں اور اسکی عادت بھی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے اور سرکشی اس جانور کا خاصہ ہے اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ انکے ہوتے ہوئے وہاں کھڑے ہو کر نمازی کا دل نہیں لگے گا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **صلو افی مراح الغنم ولا تصلوافی معاطن الابل فانها خلقت من الشیاطین.** ترجمہ :۔ یعنی بکریوں کے آرام گاہ میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے مقام میں نماز مت پڑھو کیونکہ اونٹ کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ : مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مقام ہے ایسی جگہ میں جانوروں کے ذبح کرنے کا خون اور گوبر وغیرہ پڑنے سے تعفن ہوتا ہے اور نماز کیلئے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ : سڑک کے بیچ میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی ہے کہ اول راہ چلنے والوں سے نمازی کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا یا وہ آگے سے گذریں گے دوسرے درندے وغیرہ ادھر سے ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اترنے سے بھی اسی لئے نہی صریح ہے ان وجوہ سے وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے بلکہ راستہ سے ایک طرف ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے **عن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ ﷺ قال سبع مواطن لا تجوز فیها الصلوٰۃ ظهربیت اللہ والمقبرۃ والمذبلۃ والمجزرۃ والحمام وعطن الابل ومحجۃ الطریق.** ترجمہ :۔ یعنی حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات مقاموں میں نماز جائز نہیں ہے۔ کعبہ کی پیٹھ پر (بلحاظ عظمت کے) اور قبرستان میں (بلحاظ وہم شرک کے) اور گھوڑے میں (بوجہ نجاست کے) اور جانوروں کے ذبح ہونے کے مقام میں (بلحاظ اسی نجاست و تعفن کے) اور حمام میں (بلحاظ پراگندہ ہونے دل کے) اور اونٹوں کے مقام میں اور راستہ کے بیچ

میں (بلحاظ خلل ہونے حضور دل کے)۔

اعمال کیلئے قضاور خصت مقرر ہونے کی حکمت : انسان کو بعض اوقات کچھ عذر وغیرہ بھی پیش آتے ہیں۔ پس اگر انکی بالکل رعایت نہ کی جاوے تو حرج عظیم ہے اسلئے رخصت کا مشروع ہونا بھی مناسب ہے کہ اس میں مکلّف کی سہولت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**. ترجمہ :۔ یعنی خدا تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے اور تمہارے ساتھ دقت اور دشواری نہیں چاہتا۔

اور اگر انکی رعایت سے عمل کو ساقط کر دیا جاوے یعنی عذر کے وقت احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے تو اس وقت نفس انکی ترک کا عادی ہو جاویگا۔ پس نفس کی مشاقی ایسی ہی کرائی جاتی ہے جیسے کسی تند چارپایہ کو مشق کراتے ہیں جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپاؤں کو مشق کراتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشگی میں الفت و مناسبت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی الفت جاتی رہتی ہے اور اسکا کام کرنا نفس کو کیسا گراں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے اس واسطے ان وجوہ سے دو امر ضروری ٹھیرے۔ ایک یہ کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کیلئے قضاء مشروع ہو۔ دوسرے یہ کہ افعال کیلئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں چنانچہ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کحالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کر کے تیمّم کر سکتا ہے اور جس کو نماز میں قرأت پر قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کر سکتا ہے اور جسکو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے اور جو رکوع یا سجدہ نہ کر سکتا ہو اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہو سکتی ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیے جس سے اصل یاد آجائے اور معلوم

ہو جائے کہ یہ اسکا نائب اور بدل ہے۔

مسافر بآرام کیلئے رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ : مسافر بآرام کو رخصت افطار روزہ و قصر نماز کی اجازت دینا اور مقیم بامشقت کو اجازت قصر نماز و افطار روزہ کی نہ دینا حکمت الٰہیہ پر مبنی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ افطار روزہ و قصر نماز مسافر کیلئے مخصوص ہے اور مقیم نہ افطار روزہ کرے اور نہ قصر نماز کرے البتہ عذر مرض کیلئے مقیم بھی صرف روزہ افطار کر سکتا ہے یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ سفر بذات خود عذاب کا ایک ٹکڑا او شدائد و مصائب اور محنت و مشقت و تکلیف پر مشتمل ہے مسافر اگرچہ زیادہ آسودہ حال لوگوں میں سے ہو مگر پھر بھی وہ بحسب حیثیت خود ضرور ایک قسم کی محنت و مشقت میں ہوتا ہے پس یہ خدا تعالیٰ کی محض رحمت و مصلحت ہے کہ اس نے اس پر سے ایک حصہ نماز کا کم کر دیا اور ایک ہی حصہ پر اکتفا فرمایا اور فرض روزہ میں سفر میں افطار سے تخفیف فرمائی اور پھر ختم سفر کے بعد یعنی اقامت میں اسکی ادا کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ بیمار و حائض کے متعلق ایسا ہی حکم ہے تا کہ ان سے اس عبادت الٰہی کی مصلحت سفر میں ساقط کرنے سے بالکل فوت نہ ہو جائے اور اقامت میں جو مشقت اور تکلیف اور مشکل پیش آتے ہیں وہ ایسے ہیں جنکا کوئی انحصار اور شمار نہیں ہے پس اس طرح اگر محنتی و مزدور و مشقت والے آدمی کے لئے رخصت و اجازت افطار روزہ و قصر کی نماز کی ہوتی تو بہت ہی ضروری و لازمی عبادات ضائع ہو جاتیں اور اگر بعض کے لئے اجازت ہوتی اور بعض کے لئے نہ ہوتی تو بھی انحصار نہ ہوتا اور کوئی خاص ایسا وصف بھی انحصار نہ ہوتا اور کوئی خاص ایسا وصف بھی نہیں ہے جسکا انضباط ہو سکے جس کی بناء پر رخصت و عدم رخصت ہوتی بخلاف سفر کے کیونکہ مشقت و محنت سفر کے ساتھ معلق کی گئی ہے اور اسمیں تخفیف عبادت کیساتھ مناسبت بھی ہے البتہ اگر مقیم کو عذر مرض و درد ہو تو اسکے لئے افطار روزہ کی اجازت ہوئی اور نماز بیٹھ کر یا پہلو لیٹ کر ادا کرنا بھی جائز رکھا گیا اور یہ قصر عدد کی نظیر ہے۔ اور محض تکان کی مشقت و تکلیف

اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ یوں تو دنیا و آخرت کی تمام ہی مصلحتیں تکان اور محنت پر موقوف ہوتی ہیں اور جو شخص محنت اور تکلیف نہیں اٹھاتا اسکو کوئی راحت و آرام نہیں ملتا محنت و تکلیف کی قدر ہی آرام و راحت سے ملتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ مشقت کے تمام پیشوں میں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ محنت اور مشقت و حرج بالضرور ہوتا ہے اسی طرح دنیا کا کوئی کسب و کام محنت و مشقت سے خالی نہیں ہوتا اسلئے ان میں قصر نماز و افطار روزہ کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ پیشہ ور اور محنتی لوگ عام ان میں مصروف و مشغول رہتے ہیں انکے معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے اگر انکو اجازت عام ہوتی تو اطاعت الٰہی کے انتظامات میں سخت ابتری پھیل جاتی اس لئے مصلحت و حکمت الٰہی نے عام محنتوں و مشقتوں میں رخصت تجویز نہیں فرمائی بلکہ خاص محنتوں و مشقتوں کیلئے رخصت ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنا چاہیے اسلئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو اطاعت الٰہی بالکل متروک ہو جائے۔

حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ : حضرت ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔ **واما یجاب الصوم علی الحائض دون الصلوٰۃ فمن تمام محاسن الشریعۃ وحکمتھا ورعایتھا المصالح المکافین فان الحیض لما کان منا فیا للعبادۃ لم یشرح فیہ فعلھا وکان فی صلاتھا ایام التطھیر مایغنیھا عن صلاۃایام الحیض فیحصل نھا مصلحۃ الصلوۃ فی زمن التطھیر بتکررھا کل یوم بخلاف الصوم فانہ لا یتکررو ھو شھر واحد فی العام فلوسقط عنھا فعلہ ایام الحیض لم یکن لھا سبیل الی تدارک نظیرہ وفاتت علیہ مصلحۃ فو جب علیھا ان تصوم فی طھر لتحصل مصلحۃ الصوم التی ھی من تمام رحمۃ اللہ بعبدہ واحسانہ الیہ بشرعہ وباللہ التوفیق** ترجمہ :۔ یعنی حائض پر وجوب روزہ وعدم ادائے نماز کا سبب شریعت حقہ کی خوبیوں اور اس کی حکمت اور رعایت

مصالح مکلفین سے ہے۔ کیونکہ جب حیض سنائی عبادت ہے تو اس میں عبادت کا فعل مشروع نہیں ہوا اور ایام طہر میں اس کی نماز پڑھنا ایام حیض میں نماز پڑھنے سے کافی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بار بار روزمرہ آتی ہے مگر روزہ روزمرہ نہیں آتا بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ روزوں کا ہے اگر ایام حیض کے روزے بھی اس سے ساقط کر دیئے جائیں تو پھر ان کی نظیر کا تدارک نہیں ہو سکتا اور روزہ کی مصلحت اس سے فوت ہو جاتی اس لئے اس پر واجب ہوا کہ ایام طہر میں روزے رکھ لے تاکہ اس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہو جائے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض رحمت اور احسان سے ان کے فائدہ کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

چاند اور سورج گرہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ :۔ چاند اور سورج کا گرہن نمونہ اور مذکر سے آفت و مصیبت و اسباب شر کا پس خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی پر لطف حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسوف کہ وقت لوگوں کو وہ طریقے سکھلائے جو کسوف کے نظیر بلاؤں کو دور کریں بدیوں کو ہٹاویں پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان پر یہ تمام طریقے سکھلا دیئے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دعا کے ساتھ بلا کو رد کرتا ہے اور دعا اور بلا دونوں جب کبھی جمع ہوئیں تو دعا ہی باذن اللہ بلا پر غالب آئی جبکہ دعا ایسے لبوں سے نکلتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنیوالی ہیں صحیح مسلم و بخاری سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشان ہیں اور کسی کے مرنے یا جینے کے لئے ان کو گرہن نہیں لگتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں خدا تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم ان کو دیکھو تو جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاؤ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں نشان گنہگاروں کے ڈرانے کے لئے ہیں تاکہ اپنے گناہ بدکاریوں اور پلیدیوں کے وبال سے ڈریں اور اسی غرض سے رسول کریم ﷺ نے گرہن کے وقت حکم فرمایا ہے کہ بہت نیکیاں کرو اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرو اور خالص نیت کے ساتھ نماز اور دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی

تعریف کرنا اور ذکر و تضرع و قیام و رکوع و سجود و توبہ انابت و استغفار و خشوع و ابتہال اور جناب الٰہی میں تذلل کرنا اور تصدیق و اعتناق مقرر فرمایا تاکہ اس آنیوالے عذاب سے ان اعمال صالح کا بجالانا عامل کے لئے سپر ہو یہ ایسا وقت ہے کہ حوادث کے پیدا ہونے کا مذکر اور اس پر منبہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کے دلوں میں خود بخود ایسے اوقات میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے نیز ایسے اوقات میں زمین پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے اس لئے صاحب معرفت کو ان اوقات میں خدا تعالیٰ کیساتھ قرب حاصل کرنا بہت مناسب ہے چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت ﷺ سے آیا ہے **ناذاتجلی اللہ بشئی من خلقه خشع له** ترجمہ :۔ یعنی جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے

نیز کفار لوگ چاند اور سورج کو سجدہ کیا کرتے ہیں لہذا مومن مسلمان کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا غیر مستحق عبادت ہونا ثابت ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی سے التجا کرے اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لا تسجدو اللشمس ولاللقمر واسجد و اللہ الذی خلقهن**

ترجمہ :۔ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے یہ سجدہ کرنا دین کے لئے شعار اور منکرین کے لئے ساکت کرنیوالا جواب ہے

سوال :۔ اگر کوئی کہے کہ خسوف و کسوف نجوم کی مقررہ منازل پر پہنچنے سے واقع ہوتا ہے اور اس کو انسانوں کے عذاب و ثواب سے کوئی تعلق نہیں ہے تو :۔

جواب :۔ یہ ہے کہ جو سائل نے کہا ہے وہ علت ہے اور جو ہم نے کہا ہے وہ حکمت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نماز استسقاء میں چادر کو الٹا کرنے کی حکمت :۔ نماز استسقاء میں چادر کا الٹا کرنا اس حال کے پلٹ جانے کی طرف ایما ہے جس میں لوگوں کو خوش سالی سے فراخ حالی و تنگی عیش ہے

فراخی عیش کی تحویل مطلوب ہوتی ہے نیز نماز استسقاء میں لوگ کبر و فخر اور بڑائی اور گھمنڈ اور نا شکری سے حالت توبہ واستغفار و عجز واظہار و فاقہ مسکنت کی طرف پھر جانے کا اظہار کرتے ہیں پس چادر کا الٹا کرنا یہ تصویری زبان سے اظہار ہے اور زبان افعال کا اظہار زبان اقوال کے اظہار سے زیادہ تر کامل ہے نیز اسمیں یہ امر بھی مرموز ہے کہ تصویری زبان میں افعال واخلاق سیئہ سے نجات اور افعال واخلاق حسنہ کی توفیق کے لئے دعا کی جاتی ہے حضرت ابن عربی فرماتے ہیں

امن کان یستسقی یحول رداء ہ تحول عن الافعال علك ترتفی

ترجمہ :۔ یعنی اے وہ شخص جو قحط سالی میں نماز استسقاء پڑھتا اور چادر الٹاتا ہے تو اپنے افعال بد کو الٹ دے اور نیک افعال اختیار کر تاکہ تو پسندیدہ حق ہو جاوے۔

نماز عیدین کیلئے اذان واقامت مشروع نہ ہونے کی وجہ :۔ چونکہ روز عید میں لوگوں کو نماز عید پڑھنے کیلئے اعلام واعلان کے داعی بکثرت موجود ہوتے ہیں اور تکبیر و تحمید و تہلیل جو کہ یوم عید میں مشروع ہیں وہ بھی اسی غرض کے لئے ہیں کہ غافل آگاہ ہو جاویں لہذا حکم اذان واقامت ساقط ہوا کہ کیونکہ اذان واقامت اعلان واطلاع کیلئے ہوتی ہیں تاکہ غافل ہوشیار ہو جاویں اور یہ بات روز عید میں پہلے ہی سے موجود ہے (فتوحات مکیہ)

نماز عید میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ :۔ چونکہ یوم عید میں لوگوں کو حظوظ نفوس یعنی کھانے پینے پہننے اور لہود لعب میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ کی بزرگی و جلال و عظمت کو بھول جانے کا قوی مظنہ تھا لہذا ان کی تنبیہ کے لئے نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات شامل کی گئی ہیں جن سے یہ امر مستحضر رہے کہ اے خدا تمام کبر و عظمت تیرا ہی حق ہم سب ہیچ ہیں (فتوحات مکیہ)

نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت :۔ تکبیرات عیدین کی نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا اس بات کی طرف ایما ہے کہ اے خدا ہم نے تیری کبریائی و عظمت و جلال کے سامنے اپنی بڑائی اور عظمت کو چھوڑ دیا سب بزرگیوں وبلندیوں کا تو ہی مالک ہے

قرآن کریم کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت :۔ قرآن کا شعائر الٰہی ہونا اسی طرح ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے رعایا کی طرف فرامین کا بھیجنا رائج ہے سو سلاطین کی تبعیت میں ان فرامین شاہی کی تعظیم ہوتی ہے اور چونکہ قبل نزول قرآن انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں اور لوگوں کا مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی رائج تھا اور ان میں خلط ہو گیا تھا اور حاجت تھی علوم صحیحہ کی اور ایسے علوم کو ہمیشہ کیلئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال تھا جس کو وہ پڑھیں اور اس کی تعظیم کریں غرض وہ شعائر میں قرار دیجاوے ان اسباب کا یہ مقتضاء ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو اور اسکی تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جاوے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں اسکے فرامین کی فوراً تعمیل کریں مضامین سجدہ پر سجدہ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم ہو وہاں تسبیح پڑھیں۔

پیغمبر خدا کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ :۔ پیغمبر خدا ﷺ کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ وہ مرسل ہیں ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور سلاطین کے امر و نہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں اور ایلچیوں کی تعظیم ہے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے پس پیغمبر کی تعظیم بھی اس طرح مشروع ہوئی کہ ان کے احکام کی بجاآوری کی جاوے ان پر درود بھیجا جاوے گفتگو کرتے وقت ان کے سامنے آواز بلند نہ کی جاوے

نماز سے مغفرت معاصی کا راز :۔ نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں تزکیہ نفس اور اخبات نفس اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے اس طرح جدا ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا

اب جس شخص نے نماز کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر اس کو پڑھا اور رکوع و سجود اور خشوع اور اس کے اذکار اور اشکال کو طور پر ادا کیا اور اس نے ان صورتوں سے ان کے معانی کا اور ان سے ارواح کا قصد کیا تو بیشک وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کے گناہ محو فرما دیتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **لوان انهر ابباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمساهل يبقى من درنه شيئى قالو الاقال فذلك مثل الصلوة الخمس يمحو الله بها الخطايا**

ترجمہ :۔ یعنی اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر جاری ہو اور اس میں روزانہ وہ پانچ بار نہایا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پنجگانہ نمازوں کی مثال ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ پنجگانہ نمازوں سے گناہوں کو بالکل محو و نابود کر دیتا ہے

ہر خطبہ میں امام کا جلسہ استراحت کرنے کی وجہ : نبی علیہ السلام نے جمعہ کے اندر دو خطبے اور پھر اذان کے درمیان میں جلسہ کرنے کو اس لئے مسنون فرمایا ہے کہ امر مطلوب بھی پورا پورا حاصل ہو جاوے اور خطیب کو بھی آرام ملجاوے اور نیز سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جاوے۔

ہر خطبہ میں تقرر تشہد کی وجہ : خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور آنحضرت ﷺ پر درود پڑھا جاوے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کی جائے اور بیچ میں کلمہ فصل امابعد لا کر لوگوں کو پند و نصیحت و تقویٰ کا حکم کیا جاوے اور ان کو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرایا جاوے اور کچھ قرآن کریم پڑھایا جاوے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعاء خیر کی جائے اسکا سبب یہ ہے کہ اس طریق نصیحت میں خدا تعالیٰ و رسول کریم ﷺ و قرآن کریم کی عظمت پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضروری ہونی چاہئیں اور حدیث میں آیا ہے **كل خطبة ليس فيها تشهد فرى كالبد**

الجذعاء. ترجمہ :۔ یعنی جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔

نماز میں خوفزدہ ہو کر کھڑا ہونے کا راز : نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ رکھ کر اور ایسی ہیئت بنا کر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہو جاوے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اسکے واسطے قید یا پھانسی کا فتوے لگنے والا ہوتا ہے اسکی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔

حقیقت دعا و قضا : اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت آلہیہ نے اسکے حصول کیلئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جنکے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا در حقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں ایسا قوی اثر رکھے کہ انکی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بلیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدے کہ ان کا قابل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ احتمال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی توجہ عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہ ہو تو اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پورانی اور سالخوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اسکو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔

سوال : دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور انکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

جواب : ہم کہتے ہیں یہی حال دواؤں کا بھی ہے کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی انکی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں مثلاً اگر بیمار کی تقدیر موافق ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کیلئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے یعنی دعا کیلئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اس جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادہ بھی اسکے قبول کرنے کا ہے۔

باب الجنائز

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ : عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لیجا کر اس کیلئے سفارش کریں اور اسکی معافی کی درخواست کریں اور اس کیلئے گڑگڑا کر التجا کریں تو بالآخر اسکا قصور معاف ہو جاتا ہے یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **مامن مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلاً لا یشرکون باالله شیئاً الا شفعهم الله فیه** ترجمہ :۔ یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا کہ اسکے جنازہ پر شریک ہوں مگر اس میت کے حق میں انکی سفارش قبول فرماتا ہے۔

شرح اسکی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اسکی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اسکے ساتھ تھے مرنے کے بعد اسکے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے جنکی وجہ سے بہت کو عذاب یا

ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کیلئے وہ گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقے دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

حکمت ماتم پرسی : چونکہ میت کے گھر والوں کو اسکی موت سے سخت رنج ہوتا ہے۔ لہذا دنیا کے اعتبار سے توانکے حق میں یہ بھلائی ہے کہ لوگ اسکی تعزیت کیلئے آئیں تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر انکی مدد کریں اور انکو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے انکے لیے یہ بہتر ہے کہ انکو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ ہمہ تن وہ پریشانی میں مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف انکی توجہ ہو اور چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام ان چیزوں سے جو کہ غم اور پریشانی بڑھاتے ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں انکے مرض کا علاج کرنا چاہیے نہ یہ کہ انکے مرض کو اور بڑھائے جائے۔

فرض کفایہ کا راز : بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اسکو ادا کریں تو وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ سب لوگ انکو متفقانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش برہم ہو جائے انکی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں۔ پس ایسے امور کیلئے ایک ایک شخص کافی ہے چنانچہ بیماروں کی عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر مشروع ہوئی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تضیع بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اسکو پورا کر دیں تو مقصود بھی حاصل ہو جاوے۔

نماز جنازہ و صدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز : دنیا میں سفارش کرنے اور تاوان دینے کے سبب مجرموں سے عذاب ٹل جانے اور رفع ہونے کے مشاہدہ و تجربہ سے کوئی منکر نہیں ہے ایسا ہی گنہگار میت کو دعا و نماز جنازہ اور صدقات مالیہ مفید ہوتے ہیں قرآن کریم میں ایسے امور کا بکثرت ذکر آیا ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں : ان اللہ امر کم

بالصدقة فان مثل ذلك كمثل رجل اسره العد وفاوثقوايديه الى عنقه وقدموه ليضربوافقال انا افدى منكم بكل قليل ففدى نفسه منهم ترجمہ :۔ خدا تعالیٰ نے تم کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ صدقہ دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے اسیر کر کے اسکے دونوں ہاتھوں کو اسکی گردن سے باندھ دیا ہو کہ اس کی گردن زنی کریں پس وہ کہے کہ میں تم کو تھوڑا اور بہت دیکر چھٹکارا چاہتا ہوں پس وہ فدیہ دیکر ان سے خلاص ہو جائے میت کی اولاد صالح اور صدقات وخیرات جاریہ میت سے عذاب ہٹانے اور رفع درجات کیلئے مفید امور ہیں کیونکہ ان امور میں قرب الی اللہ کی مناسبتیں ہیں۔

عورت کو والدین وغیرہ کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چارہ ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

: عورت کو اپنے والدین وغیرہ کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا ہے اور اپنے خاوند کی وفات پر اسکو چار ماہ دس دن کا سوگ رکھنا واجب کیا گیا ہے یہ امر اس شریعت کی خوبیوں اور حکمتوں اور مصالح عامہ کی رعایت سے ہے کیونکہ میت پر سوگ رکھنا مصیبت موت کی تعظیم میں سے ہے جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بہت مبالغہ کیا کرتے تھے اور اسکے ساتھ گریبان کا پھاڑنا اور رخساروں کو پیٹنا اور بالوں کو کھسوٹنا اور واویلا کرنا ان میں رائج تھا اور عورت بہت تنگ وتاریک وسنسان گھر میں مدت تک برابر پڑی رہتی تھی نہ کسی خوشبو کو چھوتی نہ صاف کپڑے پہنتی نہ تیل لگاتی نہ غسل کرتی تھی علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی اور نامناسب رسوم بھی جو کہ خدا تعالیٰ اور اسکی قضا قدر پر غصہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان میں مروج تھیں پس خدا تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی یہ رسم اپنی رحمت اور رافت عامہ سے باطل کر دی اور اسکے بدلہ میں ہمیں صبر وحمد استرجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون. کہنے کی ہدایت فرمائی۔ جو مصیبت زدہ کیلئے دارین میں بہت مفید ونافع ہے اور چونکہ مصیبت زدہ کو مصیبت موت پر بالضرور غم ورنج بتقاضائے طبیعت انسانی پیدا ہوتا ہے لہذا خدا تعالیٰ نے جو کہ بندوں کے حال کا داناوبینا ہے کسی قدر

سوگ رکھنا جائز رکھا اور وہ ایام سوگ میت کے بعد تین دن ہیں جن میں مصیبت زدہ سوگ رکھ کر اپنے غم ورنج کا اظہار کرے جیسا کہ مہاجر کو اجازت دی گئی ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن قیام کرے اور جو تین دن سے زائد سوگ ہو اس کا بہت فساد ہے لہٰذا اس سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا بخلاف تین دن کے فساد وہ کے کہ وہ بنظر مصلحت عورت کے کم ہے کیونکہ نفس کو مالوفات سے بالکل جدا کرنے سے بہت تکلیف پہنچتی ہے اس لئے انکو بعض حصہ مالوفات کا دیا گیا تاکہ باقی کا ترک کرنا اس پر آسان ہو جاوے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر نفس کو اپنی بعض مرادیں مل جاتی ہیں تو ان پر قانع ہو جاتا ہے اور باقی کا چھوڑنا اسکو سہل ہو جاتا ہے۔ باقی خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی حکمت کتاب النکاح میں ذکر کریں گے۔

اہل اسلام کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی

حکمت : (۱) دفن کر دینے میں مردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔ پانی اور ہوا میں مردہ کو رکھیں تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑ جائے صورت کو دیکھئے تو گھن جدا آوے آگ مین جلائیں تو گو اس میں عرصہ دراز تک تو بدبو اور گھن نہیں رہتی لیکن جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد و پیش کے رہنے والوں سے پوچھو۔ پھر ہوا کی خرابی سے پانی بگڑنے کا اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ جدا رہا۔ اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ جدا رہا۔ دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھل جانے سے بدن مردہ کے عناصر اربع اپنے اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس لئے خاک اور پانی اور ہوا اور آتش کی مقدار جتنی تھی اتنی کی اتنی ہی ہمیشہ رہتی ہے

(۲) تپش آتش سے زمین کی قوت نامیہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی ظاہر ہے اور دفن مردگان سے جو کچھ قوت نامیہ کو تقویت ہوتی ہے وہ بھی چنداں پنہاں نہیں تپش کی وجہ سے فساد قوت نامیہ تو خود عیاں ہے۔ باقی دفن کی وجہ سے قوت نامیہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ بدن انسان وہ چیز ہے کہ

قوت نامیہ کے بہت سے زوروں کی بعد پردہ عدم سے صفحہ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے۔ غلہ اور میوہ جات سے اگر بدن انسانی بنتا ہے تو قطع نظر اس سے کہ اس بننے میں نشوونما ہوتا رہتا ہے اور یہ خود قوت نامیہ کا کام ہے۔ یہ غذائیں بھی تو قوت نامیہ ہی کی کارگذاری کی بدولت اس رنگ وبو اور ذائقہ کو پہنچتے ہیں۔ القصہ قوائے نامیہ نے بڑی دقتوں سے زمین میں سے چھان کر یہ اجزاء نکالے تھے بعد دفن وہ اجزاء یکجا جمع کئے کرائے قوت نامیہ ہی کو ملجاتے ہیں اس لئے اگر مدفن اور قرب وجوار مدفن میں نشوونما کا زور ہوا کرے تو دور نہیں اور کیوں نہ ہو' فضلہ انسانی بایں وجہ کہ غذا میں سے نکلا ہے۔ اور غذا نتیجہ کارگذاری قوت نامیہ ہے زمین کی قوت کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ کیا کہیئے جسم انسانی جو اس سے کہیں زیادہ ہے یہ زور کیوں نہ رکھتا ہوگا کہ جس کا فضلہ ایسا کچھ ہو وہ اصل جو خلاصہ اربعہ عناصر ہو گیا کچھ ہوگا غرض تپش آتش کا وقت سوز ہونا اور جسم انسانی کا قوت انگیز ہونا زمین کے حق میں یقینی ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہنود کے مرگھٹ پر سبزہ کا نام ونشان نہیں ہوتا اور مدفن اہل اسلام پر ہر جگہ سبزہ زار نظر آتے ہیں۔

(۳) علاوہ بریں والد خیر اندیش اگر سفر کو جاتا ہے تو فرزند ولیعہد کو اسکی مادر مہربان کے حوالہ کرتا ہے اسکی والدہ کی سوکن کو نہیں دیتا مگر یہ ہے تو پھر مناسب یوں ہے کہ تن خاکی کو حوالہ خاک کیا جائے آتش کو نہ دیا جاوے۔ بالجملہ روح جسم خاکی کے حق میں مربی ہے چنانچہ اسکی تربیت اور نگرانی ظاہر ہے اور یہ کرۂ خاکی اسکے حق میں بمنزلہ مادر مہربان ہے چنانچہ اسکا اس سے پیدا ہونا خود اس امر پر شاہد ہے اس صورت میں در صورت سفر روح جو وقت انتقال بجانب عالم علوی پیش آتا ہے اگر اس جسم خاکی کو حوالہ آتش کریں اور زمین میں دفن نہ کریں تو ایسا ہے جیسا کہ اپنے فرزند کو اسکی مائد یعنی اسکی والدہ کی سوکن کے حوالہ کیا جاوے اور ماں کو نہ دیں۔

(۴) اگر کسی کے کبوتروں میں کسی کا کبوتر بے چرائے آملے یا کسی کے ریوڑ میں کسی کی بکری اسی طرح آملے تو اس کو یوں مناسب ہے کہ اوروں کا حق جدا کر کے انکو دیدے پھر غیروں کو یہ نہیں پہنچتا کہ اسکے کبوتروں اور ریوڑ کو ضبط کر کے لیجائے اور اسکی غیبت میں ان سب کو ہلاک کردے مگر

یہ ہے تو پھر یوں مناسب ہے کہ اس جسم خاکی کو زمین میں دفن کر دیں تاکہ آب و آتش و ہوا کو اس سے جدا کر کے چھوڑ دے تاکہ وہ سب اپنے اپنے مقام کو چلی جائیں یا کرۂ ہوا و آب و آتش اپنے اپنے ہم جنس کو اپنی اپنی طرف کھینچ لیں۔ یعنی حرکت خاک و آب و باد آتش اپنے اپنے مقامات کی طرف جو طبعی ہے دو حال سے خالی نہیں یا یہ خود حرکت کرتی ہوں جیسے اکثر علمائے یونان کہتے ہیں یا ادھر سے کشش اتصال ہو جیسے حکمائے فرنگ کا خیال ہے۔ بہر حال مناسب یوں ہے کہ جسم کو حوالہ زمین کے کر دیں حوالہ آتش نہ کریں کیونکہ یہ تن خاکی سر سے پا تک خاک ہے۔ البتہ رطوبت اور بادی اور گرمی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اجزا آبی اور ہوائی اور آتشی بھی اس میں آملے ہیں اس نے کسی کو چرایا نہیں اور اگر زمین میں دفن کر دیں گے۔ تو وہ شیرازہ ترکیب کھول کر سب کو جدا کر دے گی اور پھر وہ اجزاء خود اپنے مقام کو چلے جائیں گے یا انکے اصول ان کو جذب کر لیں گے اور اگر آگ کے سپرد کیا تو وہ سب کا ستیاناس کر کے ہٹے گی۔

(۵) محبت باہمی اقرباء تو ظاہر ہے مگر غور کرو تو بمقابلہ اور انواع و اجناس کے تمام بنی آدم باہمی قرابتی ہیں اور کیوں نہ ہوں آخر ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور اس محبت باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک دوسرے کا حافظ محافظ رہے جیتے جی کی حفاظت میں تو کچھ کلام ہی نہیں مرنے کے بعد بھی یوں جی نہیں چاہتا کہ تن مردہ کو اقربا سے علیحدہ کر دیں یہی وجہ ہے کہ جدائی کے وقت کسی قدر روتے ہیں اور جنازہ اٹھاتے ہیں تو کیا غل مچتا ہے اس صورت میں اگر بوجہ مجبوری پاس نہ رہنے دیں تو کیا مقتضائے محبت یہی ہے کہ یوں جلا کر خاک بنا دیں نہیں اہل محبت سے یہ نہیں ہو سکتا ہاں بمقدور الائش ظاہری سے پاک صاف کر کے اچھا لباس پہنا کر حفاظت سے ایک طرف رکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر یہ بات بجز خو کردگان محبت اور کون جانے وحشیان بے انس کو اس کی کیا خبر ہو گی جو امید تصدیق ہو اور نا تجربہ کاران عشق کو یہ بات کیا معلوم ہو گی جو توقع تائید ہو۔

مردہ کو نہلانے کی حکمت : مردہ کو نہلانے میں یہ وجہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا

جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسا ہی نہلاتے ہیں اسی لئے میت کی تعظیم کیلئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے کہ بیر کے پتے پانی میں ڈال کر مردہ کو نہلایا جائے کیونکہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن میلا ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور داہنے اعضاء سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے ہو اور ان اعضاء کی عزت معلوم ہو۔

مردہ کو کافور لگانے کی حکمت : (۱) مردوں کو کافور لگانے کا اسلئے امر ہوا کہ جس چیز کو کافور لگایا جائے وہ جلد نہیں بگڑتی۔ (۲) کافور لگانے میں یہ فائدہ ہے کہ کوئی موذی جانور اسکے قریب نہیں آتا۔ (۳) یہ بھی فائدہ ہے کہ کافور کی بو سے قبر کے کیڑے جو طبعی طور پر زمین میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھاگ جاتے ہیں البتہ جو اعمال بد کے باعث کیڑے سانپ بچھو وغیرہ مردہ کو قبر میں کاٹنے کیلئے پیدا ہو جائیں وہ نہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ بھاگتے ہیں بلکہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی الا الصدقہ والدعاء یعنی صدقہ ودعا سے وہ دفع ہو جاتے ہیں۔ اور کافور مردہ کے سات اندامو ں پر جن پر سجدہ کیا جاتا ہے لگایا جاوے اور وہ یہ ہیں پیشانی۔ دونوں گھٹنے دونوں قدم دونوں ہاتھ یہ سات اندام کافور کیلئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ وہ انہیں پر سجدہ کیا کرتا تھا لہٰذا مزید کرامت کیلئے مخصوص ہوئے۔

(۴) سارے جسم کی بناوٹ انہی اندامو ں سے ہوتی ہے ان پر کافر لگانے سے گویا سارا جسم ان میں شامل ہو جاتا ہے۔

شہید کو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ : (۱) شہید کو جو غسل نہ دینے اور اپنے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اسکا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اسکے بقائے عمل کی صورت متمثل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو انکو حس اور اپنی جانوں

کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو ان باتوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے جو انکے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے تو ضرور ان کو اسکے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور انکے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: جروحهم تدمی اللون لون دم والریح ریح المسك. ترجمہ :۔ یعنی شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہونگے رنگ تو خون کا سا ہوگا اور خوشبو مشک کی سی۔

(۲) میت کو اس لئے غسل دیا جاتا ہے اور پاک کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے پاس پاک ہو کر حاضر ہو اور عالم برزخ میں مرنے کے بعد طہارت مشروع کے ساتھ خدا تعالےٰ سے اور شہید جو راہ خدا میں مارا جاتا ہے وہ مجرد مرنے کے خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا ہے پس اسکو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس مرتے ہی حاضر ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی وجہ : صلوٰۃ جنازہ اپنے لئے دعا نہیں بلکہ اور کیلئے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر اور تعدد زیادہ کارگر ہے اسلئے جنازہ کی دعائیں پڑھنے میں سب شریک ہوتے ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کیلئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونیکی وجہ : انسان کے سارے اندام سر تا پا مکلّف ہیں اور سینے میں دل ان سب کا حاکم اور بادشاہ ہے وہیں سے نیکی وبدی کے احکام صادر ہوتے ہیں پس یہ محل اس لائق ہے کہ امام شافع اسکے پاس برابر کھڑا ہو کر اسکو خدا تعالیٰ کے سامنے کر کے اسکا شفاعت گر ہو پس جب دل کو بخشا جاوے تو باقی سب اعضاء اسکے تبعیت میں بخشے جاتے ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں سب اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح سائر الجسد واذا فسدت فسد سائر الجسد الا وهی القلب. ترجمہ :۔ یعنی جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ درست ہو جاوے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے

خبر دار وہ دل ہے۔ پس جب دل کے حق میں سفارش قبول ہو جاوے تو سارے اعضاء کے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔

اختتام نماز جنازہ میں داہنے بائیں سلام پھیرنے کی حکمت : امام گویا کہ اس عالم سے نکل کر عالم لاہوت میں بدرگاہ الٰہی شفاعت میت کیلئے حاضر ہوا تھا پس جب اس درگاہ سے فارغ ہو کر آدمیوں و ملائکہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو برنم آئندگان سب کو سلام کرتا ہے جیسا کہ بالعموم نماز میں کیا کرتا ہے اور نیز اس میں بطور فال حسن اسکی جانب سے انکو اور میت کے حق میں پیغام سلامتی و قبول شفاعت بھی سناتا ہے ؎

جاں سفر رفت وبدن اندر قیام وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

نماز جنازہ میں رکوع و سجود و تحیہ نہ ہونے کی وجہ : ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ نماز جنازہ ایک محض سفارش ہے جو میت کیلئے کی جاتی ہے اور رکوع اور سجود کے آثار اور ہیئتیں اسکے برعکس ہیں کیونکہ رکوع سجود میں اپنے نہایت عجز و انکسار اور خدا تعالیٰ کی بحد بزرگی و عظمت و جلال کا اظہار کیا جاتا ہے اور نماز جنازہ میں خدا تعالیٰ کی تحمید و تسبیح اور دوسرے کیلئے بخشش کا سوال ہوتا ہے چنانچہ ہم حقیقت رکوع و سجود میں ظاہر کر چکے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ

وجہ تسمیہ زکوٰۃ و صدقہ : لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جسکے معنی پاک کرنے کے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی پاکی نمو و ترقی کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کیلئے بخل و گناہ عذاب سے پاکی و رہائی و طہارت کی موجب اور ترقی مال و طہارت دل کے باعث ہے لہٰذا اس فعل کا نام زکوٰۃ ہوا اسی طرف خدا تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها. اور اس فعل

کا نام صدقہ اسلئے ہوا کہ یہ فعل صدقہ دینے والیکے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی قلبی حالت یعنی صدق و صفائی نیت کی یہ علامت ہے۔

اسرار زکوٰۃ : (۱) جب انسان خدا تعالیٰ کیلئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اسکی زندگی کا مدار معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرقریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اسکے اندر سے نکل جاتی ہے اور اسکے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ محنت سے کمایا ہوا اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کیلئے دینا یہ کسب خیر ہے جس سے نفس کی وہ ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دور ہوتا ہے کیونکہ یہ حالت یعنی بخل سے پاک ہونے کیلئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور محنت سے حاصل کردہ سرمایہ کو محض للہ دوسرے کو دینا ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم و کریم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کیلئے چھوڑنا نفس پر بھاری ہے اس لئے اس تکلیف کے اٹھانے سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۲) اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی امداد کی جائے انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے پس زکوٰۃ دینے کا فعل اور اسکے آثار موثر ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف ہوتے ہیں جنکا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے اور جس شخص میں ہمدردی بنی نوع نہیں اسکے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جسکی اصلاح اس پر واجب ہے اور وہ اصلاح غرباء بنی نوع انسان کو مال دینے سے ہوتی ہے۔

(۳) زکوٰۃ وصدقات گناہوں کو دور کرنے اور برکات کو زیادہ کرنے کے بزرگ ترین ذرائع واسباب ہیں۔

(۴) شہر کے اندر بالضرور ہر قسم کے لوگ ناتواں اور حاجتمند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر رفع فقر اور حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ ہلاک ہو جاویں اور بھوکے مر جاویں۔

چاندی کے نصاب پانچ اوقیہ یعنی دو سو درہم مقرر ہونے کی وجہ : چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ یعنی دو سو درہم اس واسطے مقرر فرمائے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب اور معتدل ہو پورے ایک سال کیلئے کافی ہو سکتی ہے پس ایک سو نوے درہم چاندی ہو تو اس پر کچھ زکوٰۃ دینی نہیں پڑتی۔

پانچ اونٹوں کی نصاب زکوٰۃ مقرر ہونیکی وجہ : اونٹ کے نصاب کی تعداد پانچ مقرر کی گئی کیونکہ زکوٰۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنا چاہیے اور اونٹ سب مویشیوں میں عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے خواہ اسکو ذبح کر کے کھاؤ خواہ اس پر سواری کرو اور دودھ پیو خواہ اس سے بچے لو اسکے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں۔ اس لئے پانچ کا عدد اس کے مناسب ہے کہ ایک معتدبہ مقدار ہے اور اسکی زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہوئی کیونکہ زمانہ سابق میں کوئی اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کی برابر سمجھے گئے اور ایک بکری انکی زکوٰۃ سمجھی گئی۔

بکریوں کی نصاب زکوٰۃ چالیس سے شروع ہونے کی وجہ : بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے سو تک میں ایک بکری ہے اور اس سے آگے دو سو تک دو بکریاں ہیں بعد ازاں ہر سینکڑہ پر ایک بکری ہے اس میں یہ وجہ ہے کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور بکریوں کا پالنا آسان بھی

ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے چھوٹے گلے کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور پھر ہر سینکڑہ پر حساب کی آسانی کیلئے ایک بکری مقرر کی۔

بیلوں اور گایوں کی زکوٰۃ کا نصاب تیس سے شروع ہونے کی حکمت : گائے بیل کی زکوٰۃ پر تیس گایوں میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور ہر چالیس میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیا ہے اس لئے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا۔

زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ : زکوٰۃ کیلئے نصاب مقرر ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ اگر ہر طرح کے مال کی مقدار مقرر نہ ہوئی تو انتظام وانضباط نہ ہوتا اسلئے تو نصاب مقرر ہوا۔ پھر اس واجب کی مقدار بھی اسی لئے مقرر ہوئی اور اس مقدار میں یہ بات ضروری تھی کہ یہ مقدار بہت زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اسکے دینے سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہو اور عقل سلیم وفطرت صحیحہ کا اجمالا اتنا تو مقتضے ہے کہ کثرت مال پر کثیر زکوٰۃ دینا لازم ہے لیکن اگر رائے پر چھوڑا جاتا اور مقدار مقرر نہ ہوتی تو جن اشخاص کو زیادہ زکوٰۃ دینی پڑتی وہ حرص مال کی باعث بہت تھوڑی زکوٰۃ دیتے اور اس سے غرباء ومساکین کی رفع حاجت نہ ہوتی۔

حقیقت نصاب زکوٰۃ زراعت : جن کھیتوں نے بارش وچشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے ان پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو نہر وچاہ وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے ان پر بیسواں حصہ ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے ان پر لگان زیادہ ہونا چاہیے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اسکے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ : زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصولی کر سکیں۔ اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ

مدت بہت کم نہو کہ جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اسکا ادا کرنا ان کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس کے ادا کرنے سے ان کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ انتظار شدید کے بعد فائدہ اٹھا سکیں پس مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جاوے کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اسکو برتتے رہتے ہیں اور لوگ اسکے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عرب و عجم عادی ہیں وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہو گئی ہے جس کے سبب وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اسکو ایسا مان لیا ہے کہ ان پر اس کا بار نہیں ہے اور اسکے ساتھ لوگوں کو مکلّف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور انکے قبول کرنے کے قریب ہے اور سب سلاطین و رعایا کی عادات میں پہلے سے محصول والی چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر ہے کیونکہ ایک سال میں ہر قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور نیز ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے بھی ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کیلئے مناسب ہے اس سبب سے یہ ہی سال زکواۃ کے لئے بھی مقرر ہوا۔

سائمہ میں وجوب زکواۃ کی اور عوامل سے اس کے اسقاط کی وجہ : دار قطنی میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے **لیس فی الابل العوامل ولا فی البقر العوامل صدقة** ترجمہ :۔ یعنی کام میں لگائے ہوئے اونٹوں اور کام کرنیوالے بیلوں میں صدقہ نہیں ہے اس میں یہ راز ہے کہ جو مال صاحب مال کی خدمت کیلئے مخصوص ہے مثلاً پہننے کے کپڑے اور کام کرنے والے خدمتگار غلام اور رہنے کے مکانات اور سواری کے جانور اور پڑھنے کی کتابیں اور کھیتی میں کاشتکاری کے بیل اور ہرٹ میں چلنے والے اونٹ وغیرہ یہ اشیاء مالک کے دست و پا آلات ضروریہ کی طرح ہیں پس ان میں زکوٰۃ نہیں ہوئی اور عوامل یعنی کام کرنیوالے جانوروں میں اور سائمہ یعنی مدام چرنیوالے جانوروں میں فرق ظاہر ہے کیونکہ بہائم عاملہ نمو اور بڑھنے سے الگ کر کے کام میں لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور مدام چرنیوالے کام سے آزاد جانور بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں لہٰذا

ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی اور جانوران غیر عاملہ انسان کے مال تجارت کی طرح ہوتے ہیں لہذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ کیونکہ زکوۃ کی دو وجہیں ہوتی ہیں نمو مال اور حاجت سے زائد ہونا مگر جانوران عاملہ میں یہ دونوں امر نہیں ہوتے بدیں وجہ ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی۔

موالید ثلثہ میں زکوٰۃ واجب ہونیکی حکمت : واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ موالید ثلثہ میں واجب ٹھیرائی ہے اور وہ تین ہیں۔ معدن۔ نباتات۔ حیوان۔ پس معدن کی قسم تو سونا اور چاندی ہے اور نباتات کی قسم گندم جو خرما ہیں اور حیوان کی قسم اونٹ گائے بکری ہے۔ پس جملہ موالدات اس میں شامل ہو گئے۔

خاندان نبوی ؐ کیلئے حرمت صدقات کیوجہ : آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں :**ان هذه الصدقات انما هی من اوشاخ الناس وانهالا تحل لمحمد ولا لال محمد** ﷺ

ترجمہ :۔ یعنی صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمدؐ کیلئے حلال ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے :۔**نحن اهل البيت لا تحل النا الصدقة** ترجمہ :۔ ہم اہل بیت ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اہل بیت سے مراد بنو ہاشم آل علیؓ و عباسؓ و جعفرؓ و عقیلؓ و حارثؓ بن عبد المطلب ہیں۔ صدقات کے میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا رفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ملا اعلیٰ کے ادارکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس حکم میں دوسرا یہ راز ہے کہ آنحضرت ﷺ اگر خود بنفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے ہیں تو اس بات کا احتمال ہوتا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپکے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ

صدقات کے منافع انہیں کی یعنی دینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہیں کے اغنیاء سے لیکر انہیں کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ انکے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے۔

نیز جو لوگ مانگ مانگ کر گذر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان میں سے تقویٰ و عفت و شجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ ضائع ہو جاتے ہیں انکی ہمتیں بہت پست ہو جاتی ہیں۔ محنت و کسب و تحصیل کمالات سے وہ جی چراتے ہیں عیاشی انکا پیشہ ہو جاتا ہے ترفہ و آسائش و آرام طلبی ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

پس ان امور کو مد نظر رکھ کر بھی آنحضرت ﷺ کو خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا میری آل لوگوں کے خیرات و صدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سست نہ ہو جاوے اور واقعی یہ ایسے اسباب ہیں جو نفوس نفیسہ کی حالت کے بر خلاف ہیں۔ اسلئے آنحضرت ﷺ نے ان پر صدقات کو منع فرمایا تاکہ وہ ایسے امور دنیہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزق مذلت کے طالب بن کر ذلیل و خوار نہ ہو جاویں۔

تمت

جلد اول تمام ہوئی دوسری جلد کتاب الصوم سے اور تیسری جلد کتاب البیوع سے آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ

فقط ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

المصالح العقلیہ کی جلد دوم

کتاب الصوم

انسان کیلئے روزہ مقرر ہونے کے وجوہ

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی عقل کو اس کے نفس پر غلبہ اور تسلط دائمی حاصل رہے مگر بباعث بشریت بسااوقات اسکا نفس اسکی عقل پر غالت آتا ہے۔لہذا تہذیب وتزکیہ نفس کیلئے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھیرایا ہے۔

(۱)روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط وغلبہ حاصل ہو جاتا ہے

(۲)روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **لعلکم تتقون**۔ترجمہ :یعنی روزہ تم پر اس لئے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔

(۳)روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی ومسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے

(۴)روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

(۵)دور اندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

(۶)کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

(۷)درندگی وبہیمت سے دوری ہوتی ہے۔

(۸)ملائکہ الہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۹)خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔

(۱۰)انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے اور وہ رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کب

ادا کر سکتا ہے اگر چہ زبان سے شکر یہ ادا کرے مگر جب تک اس کے معدہ میں بھوک اور پیاس کا اثر اور اس کی رگوں اور پٹھوں میں ضعف و ناتوائی کا احساس نہ ہو وہ نعمتہائے الٰہی کا کماحقہ شکر گذار نہیں بن سکتا کیونکہ جب کسی کی کوئی محبوب و مرغوب مالوف چیز کچھ زمانہ گم ہو جاوے تو اس کے فراق سے اس کے دل کو اس چیز کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

(۱۱) روزہ موجب صحت جسم و روح ہے چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطبا نے صحت جسم کے لئے اور صوفیہ اکرام نے صفائی دل کے لئے مفید لکھا ہے

(۱۲) روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو آئندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا کام دیگا جنہوں نے اس غذا کو ساتھ نہیں لیا اور یہ بات ماننے کے لائق ہے جبکہ کھانے پینے کی تمام اشیاء خداوند تعالیٰ ہی کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے ان کا عوض وہاں ضرور دیگا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا

(۱۳) روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ :ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرمائی ہے :۔شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن ترجمہ :۔ یعنی ماہ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جسمیں قرآن کریم نازل ہوا پس چونکہ رمضان میں قرآن کریم نازل ہوا لہذا یہ مہینہ برکات آلہیہ کے نزول کا موجب ہے اس لئے اس میں روزہ رکھنے سے اصل غرض جو لعلکم تتقون میں مذکور ہے بوجہ اکمل حاصل ہو جاتی ہے

ماہ رمضان میں ختم قرآن مسنون ہونے کی وجہ :اس مہینہ میں قرآن کریم کا ختم کرنا اس وجہ سے مسنون ہے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے پس جو شخص اس مہینہ

میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے وہ ساری اصلی اور ظلی برکات کا وارث ہو جاتا ہے وجہ یہ کہ ماہ رمضان ساری اسلامی برکات وخیرات کا جامع ہے ہر ایک دینی برکت اور خیر جو تمام سال میں کسی کو ملتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہ کی برکات وخیرات کے راستہ سے آتی ہے اس مہینہ کی حمیت سارے سال کی حمیت کا باعث ہوتی ہے اور اس مہینہ کا تفرقہ سارے سال کے تفرقہ کا سبب ہوتا ہے کیونکہ منبع خیرات وبرکات مصلح عالم اصغر واکبر یعنی قرآن کریم کا قدوم سمینت لزوم ونزول اسی مہینہ میں ہوا ہے شهر رمضان انزل فيه القرآن ترجمہ :۔ یعنی رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا

تعجیل افطار روزہ وتاخیر سحر کی وجہ : ہر عمل کو اپنے اپنے مناسب وموقع پر بجالانا اعتدال ہے اگر آنحضرت ﷺ روزہ کی ابتداء وانتہا کی حد عملی بیان نہ فرماتے تو بعض لوگ عشاء تک روزہ افطار کرتے یا ابتداء عمل کی حد کو مقدم کر دیتے اور پھر ان کی تقلید سے عام بندوں کو تکلیف پہنچتی

رات کو روزہ مقرر نہ ہونے کی وجہ : چونکہ رات کا وقت بالطبع ترک شہوات ولذات کا ہے لہذا اگر رات کا وقت روزہ کے لئے قرار دیا جاتا تو عبادت کو عادت سے اور حکم شرع کو مقتضائے طبع سے امتیاز نہ ہوتا اسی واسطے نماز تہجد اور وقت تلاوت اور مناجات شب کو قرار دیا گیا۔

ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ :(۱) چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کے لئے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اشتغال باہل واموال ممکن نہ تھی لہذا یہ ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا اہتمام والتزام کیا جاوے جس سے قوت ملکی کا ظہور ہو جائے اور اس سے بیشتر جو اس میں کمی ہوئی ہے اس سے اس کا تدارک ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جاوے جسکی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بند ہی ہوتی ہے اور وہ دو چار بار ادھر ادھر لاتیں چلا کر پھر اپنی اصلی تھان پر آن کھڑا ہوتا ہے۔

(۲) یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کی جاوے تاکہ کوئی شخص اسمیں افراط

و تفریط نہ کر سکے لہذا امور مذکورہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینہ تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزہ کا انضباط کیا جاوے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اس کے عادی نہیں ہوتے اس کی وجہ سے ان کو کچھ پروانہ ہوتی اور ہفتہ اور دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتیں اور نفس تھک کر رہ جاتا۔ ان امور سے روزہ کے لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جاوے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

(۳) چونکہ روزہ تمام قسم کے نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کا تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوئی ہے لہذا بقدر ضرورت اس کی ایک معین مقدار ہونی چاہیے چونکہ نہ اتنی کم ہو جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو اور نہ اس قدر افراط کر دی جائے کہ اس سے اعضا میں ضعف آجائے اور دلی فرحت جاتی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت سے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے اور یہ معتدل مقدار وہی ہے جو مشروع ہوئی پھر کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مقدار میں تھوڑا سا استعمال کرے یہ طریقہ تو عام قانون کے تحت میں بمشکل آسکتا ہے اس لئے کہ لوگوں کے مختلف درجہ ہیں کوئی تھوڑا کھاتا ہے اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہو جاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے سو اسمیں انضباط نہ ہوتا اور ہر شخص بہت کھا کر کہ دیتا کہ میں نے اپنی بھوک سے کم کھایا ہے دوسرا طریق یہ ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ لوگ عام طور سے صبح و شام دو مرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار کھاتے ہیں باقی یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ لوگوں کو کم کھانے کی تکلیف دیجائے مثلاً کہا جاوے کہ تم لوگ اس قدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے ایسا حکم دینا موضوع شریعت کے

خلاف ہے مثل مشہور ہے کہ جو بھیڑ یئے کو چرواہا بنائے وہ خود ظالم ہے ہاں غیر واجبات میں ایسا کرنا مناسب نہیں۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ وہ فاصلہ اتنی دیر کا نہ ہو کہ اس سے نقصان پہنچے اور قوت کا استیصال ہو جائے مثلاً تین رات دن برابر بھوکا رہنے کا حکم ہو تا اس لئے کہ یہ موضوع شریعت کے خلاف ہے اور ہر ایک کو اسکی تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بھی ہونا چاہیے کہ بھوکے پیاسے رہنے کیلئے بار بار کی بھی قید ہو نا کہ ریاضت اور اطاعت کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ وہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو کیا فائدہ ہو گا۔

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑے گا کہ روزہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینہ تک ہونا چاہیے کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہے کہ دن کا کھانا ذرا تاخیر کر کے کھایا جاوے۔ اور اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور ایک دو ہفتہ بہت تھوڑی مدت ہے جس کا اثر نہیں ہو سکتا اور دو مہینہ تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۴) چونکہ رزہ کے قانون کو عام ہونا چاہیے اس لئے کہ اس میں سب کی اصلاح و تہذیب مقصود ہے لہٰذا ہر شخص اس بات کا مجاز نہ ہو کہ جس مہینے میں آسانی سمجھے روزہ رکھ لے اس لئے کہ اس میں باب معذرت کے وسیع ہو جانے کا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے انسداد کا اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت میں سستی ہو جانیکا اندیشہ ہے۔

(۵) مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا ایک وقت میں کسی ایک چیز کی پابندی کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملے گی آسانی ہو گی اور کام کرنے کی ہمت پیدا ہو گی۔

(۶) ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا بلا تفاق مل کر کرنا ان کے لئے باعث نزول رحمت الٰہی اور ان میں صورت اتفاق و اتحاد کے لئے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے روزوں کا ایک ہی مہینہ معین و مشخص کیا ہے پس جو شخص اس نظام الٰہی کو بغیر عذر کے توڑتا ہے اس پر بجائے رحمت کے زحمت کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ :سوال :۔ یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا اخیری روزہ فرض ہونے کا کیا راز ہے باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں۔

جواب :۔ یہ دونوں یوم مرتبہ اور درجہ میں برابر نہیں اگرچہ طلوع وغروب آفتاب میں یکساں ہیں مگر حکم الٰہی میں یکساں نہیں ہیں کیونکہ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے روزے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید وسرور کا دن ہے جس میں خدا تعالیٰ نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گذاری بندگان خدا مباح کیا ہے اس لئے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں لہذا خدا تعالیٰ کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت وضیافت کو قبول کرے یہ امر خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کی دعوت وضیافت کو رد کرے مہمان کے لوازم وآداب میں سے یہ امر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان کے اذن سے رکھے پس جبکہ یکم شوال کو اہل اسلام خدا تعالیٰ کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا جائز ہو سکتا ہے ؟ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا کیونکہ یہ روزہ خدا تعالیٰ کے اتمام نعمت وخاتمہ عمل کے لئے ہے اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہو کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں یوں تو تمام مخلوق خدا تعالےٰ کی دائمی مہمان ہے مگر یہ دن ان کی ایک مخصوص مہمانی وضیافت کا ہے جس کو رد کرنا گناہ عظیم ہے۔

ماہ رمضان کی راتوں میں تقرر نماز تراویح کی وجہ :(۱) رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اس لئے مقرر ہوئی کہ طبعی خواہشوں کی کمال مخالفت ثابت ہو کیونکہ طبیعت روزہ کی سستی ومحنت ومشقت کو دفع کرنے کے لئے استراحت وآرام چاہتی ہے لہذا اسمیں ایسی عبادت کا تقرر ہوا کہ جس سے عادت وعبادت میں امتیاز ہو۔

(۲) ماہ رمضان نزول مزید برکات وانوار کے لئے مخصوص ہے لہذا اس مہینہ کی راتوں میں بھی

ایک خاص عبادت کا تقرر ہوا کیونکہ اکثر برکات وانوار الٰہی کا نزول رات ہی کو ہوتا ہے۔

ماہ رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونے کی وجہ :لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چونکہ معتکف جب کہ روزہ دار بھی ہو تمام حوائج دنیویہ واغراض نفسانیہ سے اپنے کو بقصد عبادت الٰہی مسجد میں روک کر کے اس کے در پر اپنے کو گرا دیتا ہے اس لئے اس فعل کا نام اعتکاف ہوا اور وہ مسنون بھی ہے چنانچہ بروایت ابی بن کعبؓ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے پس روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویری زبان کی دعاوالحاح ہے اور اعتکاف عاشق کا دروازہ معشوق پر اپنے آپ کو بحالت تضرع وزاری پیش کرنا ہے گویا معتکف اپنے آپ کو درگاہ الٰہی میں ایسا مقید کرتا ہے جیسا کہ ایک الحاح کنندہ سائل کسی کے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت ومراد حاصل ہوئے بغیر نہیں ہٹتا یا یہ کہ عاشق راز کی طرح اپنے معشوق کے دروازے پر بھوکا پیاسا بن کر اور دنیا کی تمام حوائج واغراض سے فارغ ولاابالی ہو کر محض جلوہ محبوب ومعشوق کے لئے اس کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا معشوق اس کو اپنا منہ نہ دکھائے اس کے در سے نہیں ہٹتا اور اسکے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر اس کے در پر آکر سر رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانہ خدا یعنی مسجد کے بغیر کہیں جائز نہیں کیونکہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازے ہی پر گرنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ بحالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے اور یہ ماہ رمضان کے عشرہ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے وہ ایسی ہی تجلی ہے جس کا اصلی ظہور ایسے ہی عاشق پر ہوتا ہے

بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے والے کا روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ :سوال :۔ جب کہ صوم کے معنی ترک کرنے اور روکنے کے ہیں تو جو شخص بھول کر کوئی چیز کھا پی لے اس

نے حد صوم اور صفت ترک کو توڑ دیا پس اس کا روزہ کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

جواب :۔ اگر روزہ دار بھول کر کسی چیز ناقص صوم کا استعمال کر لے تو بھی امساک وترک شرعی اس کے حق میں موجود ہے کیونکہ شارع نے اس کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا :۔ ان اللہ اطعمه وسقاه ۔ ترجمہ :۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا۔ پس اس میں بندہ کا فعل حکماً معدوم ہوتا ہے اگرچہ حساوہ کھانے والا ہوتا ہے اور امساک جس کے معنی صوم یعنی روزہ کے ہیں وہ حکمی طور پر اسی طرح موجود ہے

سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدہر بننے کی حکمت

: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں من صام صیام رمضان فاتبعه ستاً من شوال کا ن کصیام الدھر۔ ترجمہ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے یعنی ۳۰+۶=۳۶ کو ۱۰ کے ساتھ ضرب دینے سے تین سو ساٹھ حاصل ضرب ہوتے ہیں۔

ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ

: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ سے راوی ہیں اذاجاء شهر رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشياطين ۔ ترجمہ یعنی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور

شیطان جکڑے جاتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شرور اور بدیاں جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی سیری و قوت جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں سو جب روزہ کے سبب قوت جسمی میں فتور آجاتا ہے تو گناہوں میں کمی ہو جاتی ہے پس جب انسان محض خدا تعالیٰ کے لئے بھوکے اور پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو ان کے لئے رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور بہشت کے دروازے ان کے لئے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا بھی ظاہر ہے کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہو گیا جس کے باعث سے غضب الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے تو بیشک دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے اور شیاطین کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب نبی آدم کے رگ وریشہ و جسم میں توانائی اور شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور اندر سے پٹھوں اور ریشوں سے شیطانی تحریکات شروع ہو جاتی ہیں مگر جب سارے جسم میں بھوک اور پیاس کا اثر ہوا اور بحکم الٰہی شہوانی قویٰ کو روزہ کی خاطر دبا دیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سے شیطان جکڑے جاتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ھیں ان الشیطان یجری من بنی ادم کمجری الدم ۔ترجمہ :یعنی شیطان بنی آدم کے رگ وریشہ میں خون کی طرح جاری اور رواں رہتا ہے۔اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام بنی آدم کے رگ وریشہ میں ہوتا ہے پس جب رگ وریشہ کی قوتوں میں فتور آجائے اور شیطانی تحریکات کا صوم کے سبب ظہور نہ ہو تو بعض کے قول پر یہی شیطان کا جکڑا جانا ہے اور ظاہر حدیث سے ظاہری جکڑا جانا معلوم ہوتا ہے دنیا میں جب کسی معزز کی آمد ہوتی ہے۔مفسدوں کو خاص طور پر نظر بند کر دیا جاتا ہے پس رمضان میں خاص برکات و تجلیات کی آمد سے بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اور پھر بھی جو گناہ ہوتے ہیں وہ نفس کے سبب ہوتے ہیں نہ کہ شیاطین کے سبب۔

قطب جنوبی و شمالی میں روزہ ماہ رمضان مقرر نہ ہونے کی وجہ :سوال :۔ قطبین پر چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ بیان ذیل سے اسی سوال میں واضح ہو گی ؟

جب آفتاب خط استوا پر ہوتا ہے تو اس کی روشنی دونوں قطبوں پر پہنچتی ہے لیکن جس قدر سورج خط استوا سے شمال کی طرف آتا ہے اسی قدر اس کی روشنی قطب شمال کے آگے بڑھتی اور قطب جنوبی سے ورے ہٹتی آتی ہے اور اسی واسطے قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی جاتی ہے مگر سورج خط استوا سے تین مہینوں میں تو شمالی کی طرف آکر خط سرطان پر پہنچتا ہے اور پھر تین ہی مہینہ میں خط سرطان سے خط استوا پر آتا ہے پس ان چھ مہینوں میں قطب شمالی آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرۂ جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرۂ جنوبی میں ہوتا ہے قطب جنوبی تو آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب شمالی تاریکی میں ہوتا ہے اور اسی واسطے ان دنوں قطب جنوبی پر دن اور قطب شمالی پر رات ہوتی ہے یعنی ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک آفتاب کے نصف کرۂ شمالی میں رہنے کے سبب قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے پس جہاں رات چھ ماہ کی اور دن بھی چھ ماہ کا ہو وہاں روزہ رکھنے کا کیا انتظام ہوگا کسی انسان کی اتنی طاقت و وسعت نہیں کہ اتنے بڑے دن یعنی چھ ماہ کا روزہ رکھ سکے اور چھ ماہ تک غروب آفتاب کا انتظار کرے اور بھوکا پیاسا رہے مثلاً گرین لینڈ میں جو جاوے وہاں اس کے روزہ کا انتظام ہو۔

جواب :۔ قطبین اور گرین لینڈ وغیرہ پر روزہ رکھنے کے مسئلہ کو قرآن کریم نے بھلا نہیں دیا بلکہ واضح کر کے بتادیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** ترجمہ :۔ یعنی جو شخص ماہ رمضان کو پاوے وہ اس میں روزہ رکھے۔ پس جہاں رمضان کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں رمضان موجود ہی نہیں ہے وہاں روزہ بھی نہیں ایسے مقامات پر یہی حال نماز کا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ان الصلوٰة كانت على المومنين كتابا موقوتا**۔ تو جہاں یہ اوقات نہیں وہاں عبادت موقتہ بھی نہیں جس طرح چور کا ہاتھ کاٹنا قرآنی حکم اور اسلام کا عمل درآمد تھا اور ہاتھ کٹے چور مسلمان بھی ہو جاتے اور ہوتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے اور قرآن کریم میں وضو اور تیمّم کے وقت دونوں ہاتھوں کا دھونا مسح کرنا بھی ضروری تھا مگر جہاں ہاتھ ہی نہیں ان کا دھونا کیسا۔

اسی طرح جہاں رمضان ہی نہیں وہاں رمضان کے روزے چہ معنی دارد یہ قول بعض علماء کا ہے اور بعض علمانے فرمایا ہے کہ مقصود بالذات خود نماز اور روزہ ہے اور اوقات کی تعیین وہاں ہے جہاں اوقات ہوں اور جہاں اوقات نہ ہوں وہاں وہ عبادت مقصودہ ساقط نہیں ہوں گی وقت کا اندازہ کر کے نماز بھی پڑھی جاوے گی اور روزے بھی رکھا جاوے گا اور احتیاط اسی قول میں ہے اور اگر کسی کے نزدیک آیت موصوفہ اس حکم پر دلالت کرنے کے لئے کافی نہ ہو اور اس وجہ سے اس حکم کو غیر مذکور فی القرآن کہا جاوے تو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بالعموم قطبین پر بنی آدم کے علاوہ دوسرے حیوانات کی آبادی تھی بوجہ انجماد برف وآب وبرودت قریباً ناممکن نظر آتی ہے اس لئے جہاں خدا نے بنی آدم کی آبادی ہی نہیں رکھی وہاں روزہ کا تعین بھی نہیں ہوا خوب سوچو کہ بادشاہی احکام کا نفاذ اجر اوہاں ہی ہوتا ہے جہاں اسکی رعیت ہو اور جہاں اسکی رعیت ہی نہ ہو وہاں احکام کا اجرا ہی نہیں ہوتا۔

اور پہلے جواب کی شرح یہ ہے کہ ماہ رمضان جو کہ روزوں کا مہینہ ہے قمری ہے چنانچہ خدا تعالیٰ بعد ایجاب صوم اس کا وقت بتلانے کے لئے فرماتے ہیں۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن۔ یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمیں قرآن کریم نازل ہوا اور ظاہر ہے کہ رمضان قمری مہینہ ہے اور ہر قمری مہینہ ۲۹ دن بارہ گھنٹے اور ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے۔

اذافات الشرط فات المشروط اور علماء کا اختلاف اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

وجہ تقرر صدقہ فطر :(۱) عید الفطر میں صدقہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اول تو اس کے سبب عید الفطر کے شعار الٰہی میں سے ہونے کی تکمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اسمیں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لئے سنتیں مقرر کی گئی ہیں ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

(۲) اغنیاء اور دولتمندوں اور ذی وسعت لوگوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے مگر مسکین

ومفلسوں میں بوجہ ناداری کے اسی طرح سے شکل صوم موجود ہوتی ہے لہذا خدا تعالیٰ نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علی خلق اللہ لازم ٹھیرایا کہ مساکین کو عید سے بیشتر صدقہ دے دیں تاکہ وہ بھی عید کریں یہاں تک کہ نماز عید پڑھنے سے بیشتر ہی ان کو صدقہ دینا لازم ٹھیرایا اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنے کا ایما ہوا تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی۔

ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقہ فطر ایک صاع جو یا چھوارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونیکی وجہ :۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ فطر ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے پر ایک صاع چھوارے یا جو یعنی انگریزی نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر پختہ گندم جس ظرف میں آجاویں کہ وہ ظرف ایک صاع کا ہوتا ہے اس ظرف کو بھر کر چھوارے یا جو اس لئے مقرر فرمائے ہیں کہ غالباً یہ مقدار ایک چھوٹے کنبے کو ایک روز کے لئے کافی ہوتی ہے اس سے فقیر و مسکین کی حاجت پورے طور سے رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور جو کے ایک صاع کی جگہ گندم کا نصف صاع مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اس لئے امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔

باب العیدین

تقرر عید الفطر کا راز : ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے **لکل قوم عید وھذا عیدنا** یعنی ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر

چکتے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس کے لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل وعیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

تقرر عیدین کی وجہ : ہر قوم میں کچھ دستور اور اسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے میلے کے دن خوراک لباس وملاقات میں خاص اور نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور یہ فطرتی چیز تھی مگر اس میں بڑھتے بڑھتے ہوا وہوس کو بہت دخل ہو گیا بہت میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے ایسے بہت سے میلے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلا ہوتا ہے بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں جسے منڈی کہتے ہیں غرض کہ ان میلوں کی تہہ میں عجیب عجیب مقاصد کام کر رہے ہیں بعض تو اپنے گذارے کے لئے میلا لگاتے ہیں اور بعض خاص چندے اور نذر ونیاز کے لئے اور بعض محض اپنی عظمت اور شان کے اظہار کیلئے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح کر دی ہے چونکہ یہ ایک فطرتی بات تھی اس لئے ان کو اصل سے ضائع نہیں کیا صرف اصلاح کر دی اور وہ یوں ہے کہ آپ نے جہاں اور قسم کے رسم ورواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم ومشقت علی خلق اللہ کے تحت میں لے لیا وہاں ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کر دی چنانچہ عید میں آپ نے اول تکبیر کو لازم ٹھہرایا اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لئے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے صفات میں اکبر سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھ کر اس مفہوم کی جامعیت کو کوئی لفظ ظاہر نہیں کر سکتا یہ تو تعظیم لامر

اللہ ہے اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقہ فطر کو لازم ٹھہرایا یہاں تک کہ نماز میں اس وقت جائے کہ اول اس کو ادا کرے اصل سنت یہی ہے اور پھر بعض مواقع میں یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی اور عید قربان میں مساکین وغیرہم کے لئے **سید الطعام لحم** یعنی گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔ یہ چیزیں آنحضرت ﷺ نے اس بات کے لئے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو فرائض انسان پر ہیں اور جو فرائض مخلوق کے ہیں ان کو پورا کریں دنیا کے کسی میلہ کو دیکھ لو کہ ان میں ان حقوق کی حفاظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عیدین میں ہیں

تقرر عید قربان کی وجہ : عبادات کے اوقات مقرر ہوتے ہیں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم السلام نے جو طاعت وعبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا ہو اس وقت کے آنے سے ان کی جاں نثاری یاد آکر اس عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عید الضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کر کے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیمہ عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات اور ان کے جان ومال کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ حجاج مصروف ہیں اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

عیدین میں نماز اور خطبہ مقرر ہونے کی وجہ : عیدین میں خطبہ اور نماز اس لئے مقرر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم اور جلال الٰہی کے استحضار سے خالی نہ ہو تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اس میں

اپنے تجمل کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب وزینت کے ساتھ اپنے شہروں سے باہر نکلتے ہیں یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی قوم عرب وعجم میں خالی نہیں ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان کے بھی دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو ولعب یعنی کھیل کود کرتے تھے تب آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بجائے ان دنوں کے اور دو بہتر دن دیدیئے ہیں اور وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے مقصود اس سے کسی نہ کسی دین کے شعائر کا اظہار یا کسی مذہب کے اکابر کی موافقت یا اس قسم کی بات ہوتی ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا جاہلیت کے اسلاف کے کسی طریقہ کی ترویج ان کو مقصود نہ ہو اس لئے آپ نے بجائے ان دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے اور آپ نے اس دن کے تجمل کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادات کو بھی ملا دیا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو ولعب نہ ہو بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے اعلاء کلمہ اسلام ہو لہذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **وتکبروا اللہ علی ماھداکم** یعنی خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اسکی بڑائی کو بیان کرو۔

عیدین کے دنوں میں عمدہ غذا کھانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ: جب کہ عید کا دن خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت و مہمانی کا دن ہے تو اس میں ضرور ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہے وہ عمدہ اور نفیس طعام سے ہو اور اس کی قدر کی جائے لہذا خداداد نعمائے الٰہی سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور اکل وشرب ولباس میں حد جائز تک وسعت کی جائے کیونکہ اسی میں خدا تعالیٰ کی ضیافت ودعوت کی تعظیم وتکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ ضیافت الٰہی کا دن ہے اس لئے مومن کو چاہیے کہ کھانے میں توسیع کرے اور غربا کی خبر گیری کرے۔

عیدین کی نمازوں میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ : تکبیر الٰہی میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور اپنا انکسار و ترک ماسوا مد نظر ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ لوگ عیدین کے دنوں میں بکثرت اپنے شان و شوکت اور تجمل کا اظہار کرتے ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں مشروع ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور اس کو مد نظر رکھو کیونکہ اسی نے تم کو اس دن شان و شوکت کی اجازت دی ہے پس یہ بڑائی و کبریائی اسی کا استحقاق ہے اور ہر تکبیر میں کانوں پر ہاتھ لیجانا ترک کبر ہے و ترک ماسوا کی طرف ایما ہے اور اپنی بڑائی اور عظمت سے تائب ہونے کی تعلیم ہے نیز جہاں کہیں جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہوا اس کو بحد اعتدال لانے کے لئے اس کے اضداد مقرر ہیں پس عیدین میں کہ جس میں تنعم و تجمل کی کثرت ہے کثرت تکبیرات کا راز کثرت توجہ الی اللہ و ترک التفات ماسوا ہے۔

باب الاضحیٰ

تقرر قربانی کی وجہ :۔ قربانی اصل قربان سے ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے قربان باالضم **وھو مایتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ یقال قربت اللہ** یعنی قربان اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے چنانچہ کہتے ہیں **قربت للہ قرباناً** ۔

چونکہ انسان قربانی سے قرب الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔

(۱) دراصل قربانی کیا ہے ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں وہ تو **وھو یطعم ولا یطعم** ہے ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھالوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اسی طرح قربان ہو جاؤ اور یہ بھی تمہارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی پیارا جانور قربان کر دو۔

(۲) جو لوگ قربانی کو خلاف عقل کہتے ہیں وہ سن لیں کہ کل دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں

کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلہ میں قربان کی جاتی ہے یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو سانپ زہریلا کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جائے تاکہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے گویا انگلی تمام جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے جو کچھ ہمارے پاس ہو اسی کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے گھی۔ آٹا گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

(۴) اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغ مرغیاں حتی کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کے جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کیلئے قربان کیا جاتا ہے مثلاً بھنگی ہیں گو تمام قوموں کی عید ہی کا دن ہو مگر ان بیچاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گذرگاہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی

(۶) بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں لداخ کے ملک میں تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے مگر یہاں کے ہندو دھوکا دے کر اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اس سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

(۷) ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کیلئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کیلئے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے۔ پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ اعلیٰ

ادنی کیلئے قربان کیا جائے۔

قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا خلاف رحم نہ ہونے کی وجہ : خدا تعالیٰ کو ماننے والی قومیں خواہ وہ کوئی ہوں اس بات کی ہر گز قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ظالم ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو رحمن ' رحیم ' مانتے ہیں۔

اب خدا تعالیٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں۔ باز۔ شکرے۔ گدھ چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے پھر دیکھو آگ میں پروانہ کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے پھر پانی کی طرف خیال کرو کہ اس میں کس قدر خونخوار جانور موجود ہیں گڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں اود بلاؤ وغیرہ۔ یہ چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھا جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کیلئے جاتی ہیں۔ پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطح زمین پر دیکھو کہ چیونٹی خوار جانور کیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے جب بہت سی چیونٹیاں اسکی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اسکی زبان پر چڑھ جاتی ہیں تو جھٹ زبان کھینچ کر سب کو نگل جاتا ہے۔ مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ مگس خوار جانور اپنی غذان جانوروں کو مار کر بہم پہنچاتے ہیں بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے جنگل میں شیر بھیڑیئے تیندوے کی غذا جو مقرر ہے وہ سبکو معلوم ہے بلی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارہ عالم کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون ذبح جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بناء پر ہے ہر گز نہیں پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنے کے ظلم کا الزام کیا مطلب رکھتا ہے انسان کے جوئیں پڑ جاتی ہیں یا کیڑے پڑ جاتے ہیں' کیسی بے باکی سے انکی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے جب اسے ظلم نہیں کہتے کہ اشرف کیلئے اخس کا قتل جائز ہے تو ذبح پر اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔

بلکہ غور کرو تو حضرت ملک الموت کو دیکھو کیسے کیسے انبیاء رسل بادشاہ بچے غریب امیر سوداگر

سب کو مار کر ہلاک کرتے اور دنیا سے نکال دیتے ہیں۔

پھر غور کرو اگر ہم جانوروں کو عید الاضحیٰ پر اس لئے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کیخلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ انکو ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ان پر یہ رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خوار جانوروں کو پیدا نہ کرتا نیز اگر انکو ذبح نہ کیا جاوے تو خود بیمار ہو کر مریں گے۔ پس غور کرو کہ ان کے مرنے میں کیسی تکلیف انکو لاحق ہو گی۔ قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بحد بڑھنا چاہتی ہے اگر ہر ایک برگد کے بیج حفاظت سے رکھے جاوے تو دنیا میں برگد ہی ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو مگر دیکھو ہزار جانور اسکا پھل کھاتے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا مرضی الٰہی ہے اسی طرح اگر ساری گایوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی انکے چارے کیلئے کافی نہ ہو گی۔ آخر بھوک پیاس سے خود انکو مرنا پڑیگا جبکہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلاف مرضی الٰہی کیوں ہے۔

ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ : پھر کوئی کہے کہ ذبح انسان بھی جائز ہو سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ ذبح انسان کیلئے بھی عمدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہادت کو متفق اللفظ ہو کر اعلیٰ کمال مانا مگر انسان کے ذبح نہ کرنے پر اور بہت سے قوی دلائل ہیں۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اوروں کے بھی حقوق ہیں کسی کی پرورش ہے کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ اگر ایسا حکم دیں تو مشکلات کا ایک بڑا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے اسلئے قتل انسان مستلزم سزا عرفی اور شرعی قانون میں سخت گناہ کہا گیا ہے۔ الغرض انسان کا قتل اسلئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں انکا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔

کتاب الحج

حج وطواف کعبہ کی وجہ :(۱)عبادت حج کا بنی آدمؑ کیلئے موضوع ہونے پر یہ حکمت ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ روحانی امور پر دلالت کریں اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے ایک انکسار اور تذلل دوسرے محبت وایثار، تذلل وانکسار کیلئے نماز کا حکم ہے جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا ہے تاکہ روح اور جسم دونوں اس عبادت میں ہوں۔

(۲) جسمی سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔اول تو یہ امر مسلم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کو پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ جسم کا خالق ہے اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے۔ علاوہ اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح بھی جسم کے اندر سجدہ کی حالت پیدا کر دیتی ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا مقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات اسکو سچی ہنسی بھی آجاتی ہے جو کہ روح کے انبساط سے متعلق ہے ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں رونے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات حقیقت میں بھی رونا آجاتا ہے جو کہ روح کے درد اور رقت سے متعلق ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی دوسری قسم میں یعنی محبت وایثار میں بھی انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں باہم تاثر اور تاثیر ہے۔ (۳) محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے پس اسی کے مقابل خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور اسکی نسبت فرمایا گیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا تاکہ انسان جسمانی طور پر بھی اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے

سو حج کرنے والے حج کے مقام پر جسمانی طور پر بھی صورت بنا کر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں زینت دور کر دیتے ہیں سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کر دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی حکمت کے لئے جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے۔

(۴) اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں پڑتے ہیں اس وقت ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنا شوق پورا کریں تو سوائے حج کے اس کو اور کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔

(۵) ہر ملت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک دربار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سب لوگوں میں باہم جان پہچان بھی ہو اور ایک دوسرے سے مستفید بھی ہوں اور اس ملت یا سلطنت کے شعائر کی تعظیم بھی کریں ایسا ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کر سکیں جو ان کو پہلے سے حاصل نہیں ہیں اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے سے ہی حاصل ہوا کرتے ہیں اور جس سے شعائر دین کی عظمت بھی ظاہر ہو۔

(۶) ائمہ دین کی حالت کو یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے۔

(۷) چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لئے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا خدا تعالیٰ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔

(۸) آدمی طواف کی وجہ سے ان مقرب ملائکہ الٰہی کے مشابہ ہو جاتے ہیں جو عرش الٰہی کے گرد گھومتے ہیں اور طواف کرتے ہیں۔

(۹) یہ خیال نہ کرو کہ طواف کعبہ سے مقصود صرف جسم کا طواف ہے بلکہ اس طواف سے مراد

رب الکعبہ کا طواف ہے جو دل سے ہوتا ہے پس عمدہ طواف دل کا حضرت الوہیت کا طواف ہے اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اس دربار الٰہی کا نمونہ ہے کیونکہ وہ دربار عالم باطن میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ عالم ظاہری میں بدن روح کا نمونہ ہے۔

(۱۰)اور سنو نیاز مندی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نیاز مندی خادمانہ خدام کی نیاز مندی اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے دوسری نیاز مندی عاشقانہ عاشق کی محبوب کے ساتھ پہلی قسم کی نیاز مندی کو مناسب ہے کہ درباری لباس پہن کر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مربیوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھ کر اطاعت کا اقرار کرے ہاتھ باندھ کر حکم کا منتظر رہے جھک کر تعظیم دے زمین پر ماتھا رکھے یہ رنگ نماز کا ہے اور عاشقانہ نیاز میں ضرور ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے نہایت درجے اس عزیز کو بھی کہ انسان ماں باپ کو چھوڑ کر اس سے متحد اور ایک جسم ہو جاتا ہے کچھ دیر کے لئے ترک کر دے اور جہاں یقینی طور پر سن لیا ہو کر میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کود تا سر کے عمامہ اور ٹوپی سے بے خبر پہنچے پروانہ وار وہاں فدا کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ سن پائے تو وہاں پتھر چلائے یہ رنگ حج کا ہے۔

(۱۱)تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے مگر ان میلوں کا ہونا محض مصالح دنیوی پر مبنی ہے چنانچہ کل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں محض کھیل اور غیر اللہ کی پرستش ہے ان کو عظمت الٰہی سے کچھ سروکار نہیں پس اجتماع حج یہ ایک اسلامی میلہ مقرر کیا گیا جو سراسر روحانیت سے بھرا ہوا ہے۔

دولتمندوں پر حج واجب ہونے کی وجہ :(۱)امراء کے حق میں عیش اور کبر ہی مہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں اور دور دراز کا سفر کرنا احباب اور اقارب کا چھوڑنا سردی اور گرمی کی برداشت کرنا مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا سستی اور نفس

پروری کا خوب استیصال کرتا ہے۔

(۲) حج کے اعمال کبر اور بڑائی کے سخت دشمن ہیں زیب وزینت کو ترک کرنا غرباء کے ساتھ ننگے سر کوسوں چلنا دنیاداروں مستوں عیاشوں کو کیسی کیسی ہمت بڑھانے کا موجب ہے۔ غرض حج کیا ہے اسلامیوں کا تجربہ کار اور ہشیار بناتا ہے۔

(۳) بلاریب ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی طاقت دولت مند لوگ رکھ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔

احرام میں صرف بے سلی دو چادروں پر کفایت کا راز : امراء کے ساتھ جن پر کہ حج فرض ہے ممکن ہے بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو جاویں اور کچھ لوگ غرباء میں سے عشق الٰہی کے مجبور کئے ہوئے بھی پہنچیں۔ اس لئے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب سادہ دو چادروں پر اکتفا کر کے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے کرتے سے الگ بالکل سادہ وضع پر ظاہر ہوں تا کہ انکی یکتائی اور اتحاد کامل درجہ پر پہنچے۔

حجر اسود کو ہاتھ لگانے اور چومنے پر اعتراض کا جواب : نادان کہتے ہیں کہ مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں مگر آریہ اور عیسائی بتائیں کہ عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں استتی (حمد) اور پرارتھنا (یعنی دعا) اور آپاشنا (یعنی دھیان) ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر سے دعا اور اس کا دھیان اور اسکی استت کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں ۔ میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں بلکہ عبادات اسلامیہ میں تو مکہ کا بھی ذکر نہیں اس کی کیا۔ ہو گی۔ اگر اسکو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ بیاہی ہوئی عورتوں کے عابد اور زمین کے پوجاری ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کے عمل سراکونے کا پتھر یہاں مکہ سے نکلا ہے بلکہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منی باب ۳۳ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے : اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بہت مدت سے تصویری زبان کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ چنانچہ رامچندر جی اور شیوجی کی تصویری قصص ہندوؤں کے پاس خصوصاً ہند کے قدیم مصوروں کے پاس موجود ہیں۔ سکندر رومی جسکو حضرت دانیال رومی نے ذوالقران یعنی ایک سینگ کا بکرا خواب میں دیکھا۔ یہ تصویری زبان کی شہادت ہے۔ دیکھو دانیال باب ۸۔ اسی طرح دارا ایرانی بادشاہ کی تصویری زبان میں گفتگو عام نظموں میں موجود ہے تصویری زبان کی کتابیں اور اخبارات ہند میں بکثرت موجود ہیں۔ اسکندریہ ملک مصر کے ایک جریدہ نگار نے ایک رسالہ قدیمی تصویری زبان کے متعلق لکھ کر شائع کیا ہے جس میں صرف حیوانات و آلات واشجار وغیرہ کی اشکال ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے اس زبان کا عام رواج تھا اب بھی یہ تصویری زبان ان بلاد میں جہاں تعلیم کا رواج کم ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا زیادہ تر استعمال کیجاتی ہے بلکہ اکثر تصویری زبان بہ نسبت تحریری کے زیادہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اسواسطے یادگاروں کو عقلاً اور حسماً اکثر تصویری تحریروں میں ادا کرتے ہیں۔

یوشع بن نون نے یردن سے گذرتے وقت بارہ پتھر اٹھائے یوشع باب ۶۔ وہ بقول عیسائیوں کے بارہ حواریوں کی پیشین گوئی تھی۔ یہود اور عیسائی غیر قوموں کو اور بعض خواص کو پتھر کہتے تھے یہ انکا محاورہ تھا بطرس کو پتھر اس واسطے کہا کہ کلیسیا کیلئے وہ فون ڈیشن سٹون یعنی بنیادی پتھر ہوا۔ ان باتوں پر خوب غور کرو۔

اب تمہید کے بعد کتب مقدسہ میں ایک پیشین گوئی بہ نسبت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ بہت زور سے درج تھی۔ دیکھو لوقا ء ۲۰ باب ۱۶ و ۱۷۔ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا وہی کونے کا سر ہوا اور دیکھو زبور ۱۸۔ ۲۲ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا۔ متی باب ۲۱۔ توریت ۲۲۔ ۴۴۔ غرض یہ ایک بشارت ہے جو کئی کتب مقدسہ میں مندرج ہے اس بشارت اور پیشین گوئی کے اظہار و تصدیق کیلئے مکہ معظمہ کی بڑی عبادت گاہ میں بطور تصویری زبان کے حجر اسو

کونے پر رکھا گیا تھا۔ محمد یوں سے صدہا سال پہلے سے یہ پتھر ابراہیمی عبادت گاہ کے کونے پر منصوب تھا اور عرب کے لوگ اسے چومتے اور اس سے ہاتھ ملاتے گویا قدیم زمانہ میں بنی عرب سے پہلے یہ فقرہ تصویری طور پر مکہ معظمہ کی مقدس مسجد پر رکھا تھا کہ اس شہر میں وہ کونے کا پتھر ظاہر ہوگا۔ جسے یوں کہا جائے گا کہ نبوت اور رسالت کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت جو کہ انبیاء اور رسولوں کی وجود ذی جود سے تیار ہوئی ہے۔ اسی پتھر سے پوری ہوئی اور اسی کونے کے پتھر کی یہ شان ہوگی کہ ان کی بیعت رحمان کی بیعت اور انکی اطاعت رحمان کی اطاعت ہے حضرت رسالت ماب ﷺ نے بھی اسی طرف ارشاد فرمایا ہے (دیکھو مشکوٰۃ) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں : **مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه وترك منه موضع اللنبة الی ان قال فکنت انا سدوت موضع اللنبة وفی روایة فانا تلك اللنبته.** ترجمہ : یعنی میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی ہے کہ وہ بہت خوبصورت بنایا گیا اور ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی رکھی گئی۔ سو وہ اینٹ میں ہوں۔

صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز : (۱) صفاومروہ کے درمیان جو کہ خانہ کعبہ کا چوک ہے۔ سعی کرنی ایسی ہے کہ جیسے غلام اپنے بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو۔ (۲) اس میں یہ راز ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے بارے میں کیا حکم کرے گا۔ منظور فرمائیگا یا منظور تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے اس امید سے کہ اول دفعہ رحم نہ کرے گا تو دوسری بار میں رحم کرے گا اسی طرح سعی والا کرتا ہے ؎

گفت پیغمبر کی چوں کوبی درے — عاقبت زاں دربروں آید مرے

میں بر سر بندہ بود — عاقبت جوینده یابنده بود

چوں نشینی بر سر کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک عاقبت اندر رسی در آب پاک

(۳) صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفاومروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے انکے فکر کو دو طریقوں سے رفع کیا ایک تو آب زمزم بر آمد ہو گیا دوسرا لوگوں کے دلوں میں اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اس لئے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور انکے فرمان برداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور انکی کرامت کو یاد کریں تاکہ انکی قوت بہیمی مغلوب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف ان کو رہنمائی کرلے اور اس کیلئے کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہر فعل سے جو کہ انکی خلاف عادت ہے ظاہر کیا جاوے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقعہ پر ایک حالت کا نقل کرنا بدرجہا زبانی باتوں سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

حج کیلئے خصوصیت مکہ کی وجہ : حج کیلئے ایسے مقام میں جمع ہونا لازم ہوا جہاں خدا تعالیٰ کے نشانات و آیات بینات موجود ہوں کہ وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جو سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے۔ اس پر بر ملا نشانات الٰہی موجود ہیں۔ چنانچہ :(۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے خدا کے حکم اور وحی سے اسکی بنیاد قائم کی۔ (۲) وہ مقام مبداء اسلام تھا پھر اس میں ایسے لوگوں کی یادگار تھی جنکی محبت اور کوشش سے سخت سے سخت بت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا اور خالص توحید الٰہی قائم ہوئی۔

(۳) اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید کی اور شرک کا استیصال کیا قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کی دختر کشی شراب خواری اور خطرناک قمار کا اس ملک میں نام و نشان نہ چھوڑا۔ نفاق و کسل

وکاہلی کے بدلے آزادی صبر وہمت واخوت' ہمدردی وشجاعت واستقلال وعزم کو پیدا کیا۔

حج میں حلق سر کی وجہ : حلق سر کی وجہ یہ ہے کہ بہت دنوں سر کھلا رہا۔ گرد وغبار پڑا عام لوگوں کو سامان سر دھونے کا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ سر منڈوادیں یا بالوں کو کٹوائیں حلق کا حکم جیسا کہ ہماری کتب قرآن وحدیث میں مذکور ہے ایسا ہی اسکا رواج اور اسکا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے (دیکھو ایوب ۱ باب ۲۰) نذیر یعنی نذر دینے والا جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر سر کی منت منڈوائے (گنتی ۶ باب ۱۸۔)

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ :(۱) قرآن خود اس بھید سے آگاہ فرماتا ہے :۔وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیہ ترجمہ :۔اور نہیں کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا مگر اس لئے کہ ظاہر ہو جاوے کہ کون رسول کے تابع ہے اس سے جو کہ پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر۔

(۲) یہ بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس عاقل کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں اس ہادی کو تمام دنیا کے متداولہ عبادت کو خالص کرنا منظور تھا وہ ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو۔

(۳) اس میں اتفاق واتحاد قومی کا فائدہ ہے اس لئے سب کو حکم ہوا کہ ایک دل ہو کر معبود حقیقی کی عبادت کریں ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اسی پہلی تلقین وتعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نماز میں جب ادھر کو رخ کرتے ہیں یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلاء کلمتہ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۴) خانہ کعبہ کو اسلام والے بیت اللہ کہتے ہیں اور بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کے مکان کو جاتا ہے تو اس کا مطلب مکان والا ہوا کرتا ہے کسی تخت نشین بادشاہ اور بزرگ کے آداب و نیاز اس کے تخت کے آداب نہیں ہوا کرتے۔

(۵) اس میں اظہار کی حکمت بھی مذکور ہے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوا اس استقبال سے وہ خداوندی حکمت بحال رکھی گئی ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزہ ہے اور عنصری و کونی صفات سے اعلیٰ اور مبرا ہے کوئی جہت نہیں جس میں وہ مقید ہو کوئی خاص مکان نہیں جس میں وہ رہتا ہو اسی مطلب کی طرف قرآن شریف اشارہ کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو پہلے ہی اپنے محیط سے رد کر دیا ہے۔ **وللہ المشرق والمغرب فاینما تولو اَفثَمَّ وجه الله.** ترجمہ :۔ خدا ہی کا مشرق و مغرب ہے سو جس طرف منہ کرو ادھر ہی توجہ ہے اللہ کی۔ (۶) ایک اور لطیف بات قابل ذکر ہے کہ آغاز نماز میں جب کہ مسلمان روبقبلہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ آیت پڑھتا ہے۔ **انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین.** ترجمہ :۔ میں نے اپنا رخ کیا اس خدائے تعالیٰ کے طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں ہوں شریک کرنیوالا۔ سو باوجود اس تصریح کے مسلمانوں پر کعبہ پرستی کا شبہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۷) اس میں یہ بھی راز ہے کہ جماعت کے انتظام میں خلل نہ ہو اور تمام دنیا کے اہل اسلام ایک جہت رہیں۔

میقات پر احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بھید : مواقیت کی اصل یہ ہے کہ مکہ میں ایسی حالت میں آنا چاہیے کہ سر پر خاک بھری ہو اور بدن میں میل کچیل اور نفس ذلت کی حالت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مطلوب ہے پس ضرور ہوا کہ مکہ سے پہلے احرام باندھیں پھر اگر اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں

کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ دور ہیں لہذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کیلئے مکہ کے گرد چند مقامات تجویز کر دیئے جاویں کہ ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضرور ہے کہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو۔

رہا لبیک کا بھید سو میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ جانے کے لبیک کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکار پر جواب عرض کر رہا ہوں کہ میں حاضر ہوں اس وقت یہ امید بھی کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف ورجا کے درمیان متردد رہے اور اپنے تاب وطاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر تکیہ رکھے اس لئے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کہ جگہ اور وہ پکار جسکا یہ جواب دیتا ہے۔ وہ ہی جو اس نے فرمایا واذن فی الناس بالحج. ترجمہ :۔ یعنی پکار لوگوں کو حج کیواسطے۔

عرفات میں ٹھہرنے کا راز : (۱) عرفات کے وقوف میں یہ راز کہ ایک زمان اور ایک مکان میں مسلمانوں کا جمع ہونا اور انکا خدا تعالیٰ کی طرف راغب ہونا اور انکا خشوع و خضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا یہ برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اجتماع میں مسلمانوں کی شان و شوکت معلوم ہوتی ہے اور اس یوم کی اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور منقول چلی آئی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ اور ان کے مابعد انبیاء سے اسکی نسبت روایات منقول ہیں۔ (۲) عرفات پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا اژدہام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا مختلف ہونا اور شعائر پر آمدورفت کرنے میں ہر فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کر کے اسی طرح میدان قیامت میں بھی تمام امتیں اپنے انبیاء کے ساتھ اکٹھی ہوں گی اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور ان کی شفاعت کی طمع کرے گی اور

اس میدان میں اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے باب میں حیران رہے گی اور جب آدمی اس کا خیال کرے تو چاہیے کہ اپنے دل کے لئے انکسار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو لازم کردے تاکہ اہل فلاح اور مرحوم فرقہ کے ساتھ اس کا حشر ہو اور اس جگہ پر امید کے قبول ہونے کی قوی توقع رکھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور اس میں رحمت الٰہی خلائق پر نازل ہوتی ہے اور یہ میدان ابدال واوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا اور صالحین کے گروہ بھی اس میدان میں ضرور حاضر ہوتے ہیں جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر خدا کے آگے انکساروزاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ان کی گردنیں اس کی طرف جھک جاتی ہیں اور مجمع ہمت کے ساتھ طلب رحمت کے لئے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور ان کی کوشش بیکار جاوے بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے اسی واسطے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت نہیں کی اور حج کا راز اور غایت مقصود بھی یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ابدال واوتاد شہروں کے اطراف سے اکٹھے ہوتے ہیں ان کے قرب سے جمع ہمت میں سہارا لگتا ہے غرضکہ رحمت الٰہی کے جذب کا طریق اس کے برابر اور کوئی نہیں ہے کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر سب قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(۳) عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر ہے نہ کوئی درخت صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے اور اس سے دعا۔

منیٰ میں اترنے کا راز :(۱) منی کے اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ منی ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے عکاظ مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی طرح ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج میں کثرت سے دور ودراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور اس تجارت کے حق میں اس سے زیادہ کوئی مناسب اور بہتر صورت نہیں تھی کہ ایسے اجتماع پر اس کا

وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ تھی کہ مکہ کے اندر اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش بھی نہیں تھی لہذا اگر ہر قسم کے لوگ منی جیسے پر فضا و کشادہ ہوا میں اترنے میں متفق نہ ہوتے تو بڑی وقت ہوتی نیز وہاں جمع ہو کر انساب وغیرہ پر تفاخر بھی کرتے تھے۔ غرض یہ مصالح ان لوگوں کے اسلام کو بھی ایسے اجتماع عظیم کی حاجت مصلحت اظہار شوکت مسلمین و شہرت و عظمت اسلام کے تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس اجتماع کو تو باقی رکھا اور بجائے ان کے اغراض واہیۃ کے مصالح شرعیہ کو قائم کر کے اس کی اصلاح فرمادی اور ایک یہ بھی راز ہے کہ ایک ہی مقام وسیع میں لوگ اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کر سکیں اور آپس میں تعارف پیدا کریں۔

مشعر الحرام میں ٹھہرنے کی وجہ : مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ یہاں اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ ان کی اس عادت کا انسداد ہو اور ایسی جگہ کی توحید بیان کرنا گویا ان کو اسپر برانگیختہ کرنا ہے کہ دیکھیں تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت کی طرح اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے ہو۔

رمی جمار کا راز : (۱) رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ کے دین کی تابعداری کا اعلان منظور ہو اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنا اسی قبیل سے ہے اسی لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا مجمع کا حکم دیا گیا باقی کنکریوں کا ہونا سو یہ امر تعیین ذکر کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مشروط ہے۔ ابوداؤد و ترمذی بروایت حضرت عائشہؓ کے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **انماجعل الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ**

لالغیرہ ترجمہ :۔ یعنی طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا اور مروہ کے اور پتھر کا پھینکنا فقط ذکر اللہ قائم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اور دوسری قسم ذکر کی وہ ہے جس سے خود انصباغ نفس کا متصود ہو وہاں خود کثرت ذکر کی مشروع ہے جیسے بہت سے اذکار ہیں۔

(۲) رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے امر کی اطاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لئے اٹھتا ہوں بدون اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل و نفس کا حظ ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپ کو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تاکہ آپ کی حج میں کچھ شبہ ڈال دے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ اس کے دفع کرنے کو اور اس کی امید منقطع کرنے کے لئے اس کو کنکریاں مارو اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا تھا اس لئے اس کو مارا تھا ہم کو تو شیطان دکھائی نہیں دیتا تھا پھر کنکریاں مانے سے کیا غرض ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے اس نے یہ شبہ تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ رمی جمار کا سست پڑ جاوے اور تمہارے خیال میں آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جس میں کچھ فائدہ نہیں ہے ایک کھیل کی سی صورت ہے اس میں کیوں مشغول ہوتے ہو پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مار کر اپنے دل سے اس کو رفع کرو اور جان لو کہ ہر چند کنکریاں پتھر پر مارتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر کیونکہ اس کی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم کی بجاآوری کریں جس کی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں صرف اس کی تعظیم ملحوظ ہے۔

بطن محسر میں تیز چلنے کا راز : بطن محسر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا سبب ہے لہذا جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف

معلوم ہوتا ہے وہ غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو بھی خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو آگاہ کرتا ہے منضبط فرمایا۔

حرم کے جانوروں کا شکار نہ کرنے کے مصلحت :(۱)حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے جیسا کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچہ کے جانوروں کو باوجود یکہ دیگر گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

(۲)مکہ کے لئے حرم مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص طرز کی تعظیم ہوتی ہے چنانچہ کسی دین کی یہ تعظیم ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور دراصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور ان کے شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی اطاعت اور تعظیم کرتی ہے تو ان کے مطیع ہونے میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان کی حدود کے اندر جو درخت وچارپائے وغیرہ ہیں ان سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے **ان لکل ملك حمی و حمی الله محارمه** ترجمہ :۔ یعنی ہر بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اس کے محارم ہیں۔

حاجی کی سواری کی عبرتیں :سواری جس وقت سامنے آوے اس وقت اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ اس نے ہماری سواری کے لئے چوپایوں کو اور عناصر یعنی آب وہوا اور آتش وغیرہ جن سے ریل اور اگنبوٹ چلتے ہیں مسخر کیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور ہماری مشقت ہلکی ہو جاوے اور یہ یاد کرو کہ دار آخرت کی سواری تھی ایک دن اسی طرح سامنے آجاوے گی یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی اس پر سوار ہو کر دار آخرت کا کوچ کرنا پڑے گا۔ العرض حج کا سفر آخرت کے سفر کی طرح ہے لہذا اس پر ضرور نظر کر لینا چاہیے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہو کر سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم کہ موت

قریب ہو اور اونٹ کی سواری سے پیشتر ہی تابوت آخرت پر سوار ہو جائے اور تابوت کی سواری یقیناً ہو گی اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشترک امر ہے تو مشکوک سفر میں احتیاط کرنا اور توشہ اور سواری سے مدد لینا اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے

معارف چادر ہائے احرام :احرام کی دو چادرو نکے خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپٹنے کو یاد کرو کیونکہ احرام کی چادر اور تہمند کو اس وقت باندھو گے جبکہ خانہ کعبہ کے نزدیک پہنچو گے اور کیا عجب کہ یہ سفر پورا نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے کفن لپٹے ہوئے ملاقات ہونا یقینی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جل شانہ' کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہو گی کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو کیونکہ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ ہے۔

اسرار میقات و تکالیف حج : جنگل میں داخل ہو کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ ہول واحوال یاد کرو جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات تک ہوں گے اس کے ہر ایک حال کو اس کی ہر کیفیت سے مناسبت ہے مثلاً رہزنوں کی دہشت سے منکر و نکیر کے سوال کے دہشت یاد کرنا چاہیے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑوں کا دھیان کرو اور اپنے گھر بار اور اقارب کے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور سختی اور تنہائی کو سوچو۔

محرم پر جنایات کے بدلے میں کفارہ لازم ہونے کی وجہ :حج کے تمام افعال عاشقانہ رنگ کے آداب ہیں جو عاشقان الٰہی کے لئے اپنے معشوق حقیقی کے گھر کے پاس بجالانے کے لئے موضوع ہیں پس جو شخص ان آداب پسندیدہ معشوق کے بر خلاف کوئی حرکت کرے اس پر عاشقانہ ادب کو چھوڑنے اور اپنے معشوق حقیقی کے خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے کفارہ دینا لازم ہوا لہذا محرم اگر اپنے کسی اندام کو خوشبو لگادے تو اس کو صدقہ دینا چاہیے اور اگر ایک دن کامل سیا ہوا کپڑا پہنے یا اپنے سر کو ڈھانپے تو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر اس سے کم مدت میں یہ فعل کیا ہو تو صدقہ دینا چاہیے اور اگر اپنے سر کا چوتھائی یا زیادہ منڈوادے تو اس پر قربانی

لازم آتی ہے اور اس سے کم کے لئے صدقہ دینا چاہیے اور ایسا ہی ناخن کٹوانے کے باب میں ہے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ ان حرکات کو عاشقانہ نیاز و خستگی شکستگی کے بر خلاف شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خوشبو ملنا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر منڈوانا اور ناخن کٹوانا زیب و زینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی و خود آرائی کی صورتیں ہیں اور یہ تمام حرکات عاشقانہ نیاز کے بر خلاف اور معشوق حقیقی کی نظر میں حالت احرام ناپسندیدہ ہیں۔ لہذا ان مخالفانہ حرکات کے تدارک کے لئے کفارات مقرر ہوئے ؎

ترک خوبی می کناند خوب تر — عشق رواں بود عشق دگر
ہر کہ ترک خود کند باید خدا — چیست زملل از نفس خود گشتن خدا
لیک ترک نفس کے آسان بود — مرون از خود شدن یکساں بود
ہست آں عالی خبر بے بس بلند — بہر وصلش شود ہا باید فگند

زیب و زینت و آرائش اور ننگ و ناموس کے سامان و اسباب حالت عشق و فریفتگی و مسکر کے نقیض دخلہ اور ایک قسم کی تصنع و تکلف پر دال ہیں ان سب کو بحالت احرام حج یعنی کوچہ محبوب میں گشت کرنے کے وقت ترک کرنا مناسب ہو اور محبّ صادق و عاشق خالص کو وہ آداب و طریقے اختیار کرنے ضروری ٹھیرے جو کہ کوچہ محبوب میں پہنچنے کے وقت معشوق حقیقی کی نظر التفات و توجہ رحمت کے جاذب ہوں۔ چنانچہ ایک عاشق صادق کا ترانہ اسی حالت و رنگ کو ظاہر کرتا ہے ؎

ننگ و نام عزت و نیاز واماں رختم — یار آمبزد مگر با ما بخاک آمیختم
دل بداو بم از کیف و حال رہش انداختیم — وز پئے وصل نگار حیلہا انگیختم

بحالت احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونے کی وجہ : دنیا کے تمام لذائذ و مرغوبات میں جماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں ساری لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اسکے بر خلاف ہوتی ہیں۔ حج میں عاشقانہ طرز و وضع

اختیار کی جاتی ہے جس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق حقیقی و محبوب لبدی کے سوائے تمام لذات و مرغوبات کو میں نے ترک کر دیا پس جو شخص باوجود اس دعوے کے جماع جیسے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب بحالت احرام حج کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ٹھہرتا ہے لہٰذا اسکا حج فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عاشقان صادق کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا بلکہ خائن ؎

ہر کہ بیباکی کند در راہ دوست راہزن مردان شد و نامرد اوست

دراصل بات یہ ہے کہ بعض عبادات میں حلال اشیاء بھی حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ان عبادات کیلئے مخل و مفسد ہوتی ہیں جیسے کلام کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر نماز میں حرام ہے ایسا ہی اپنی عورت سے مباشرت کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر بحالت روزہ یہ افعال حرام ہیں۔ کیونکہ یہ افعال ان عبادات کیلئے ناقص ہیں پس ایسا ہی حج کیلئے بعض محظورات ہیں جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور حج ان سے اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کے ضد ہیں اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہوتا۔

چیل، کوے، سانپ، چوہے، بھیڑیئے، بچھو، سگ دیوانہ کو حرم میں مار ڈالنا جائز ہونے کیوجہ : یہ جانور موذی و ضرر رساں اور عاشقان الٰہی کو گزند پہنچانے والے اور کوچہ محبوب سے مانع ہوتے ہیں لہٰذا محبوب حقیقی خداوند تعالیٰ کی نظر میں اسی وجہ سے مبغوض و ممقوت ٹھیرے کہ اس کے عاشقوں کو اسکے کوچہ سے مانع ہوتے ہیں اور یہ امر اسکو ناپسند ہے پس جو امر محبوب حقیقی نظر میں مبغوض ہو بالضرور اسکے عاشقوں اور محبوں کی نظر میں بھی مبغوض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان جانوروں کو حرم میں مار ڈالے تو اس پر کوئی تاوان انکے بدلے میں دنیا لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ کار ثواب و موافق رضا محبوب ہے۔

بحالت احرام حج سب و شتم و جنگ و جدال منع ہونے کیوجہ : حجاج بمنزلہ عاشقان و کوچہ گردان محبوب ہوتے ہیں۔ پس جو شخص عاشقان الٰہی کو سب و شتم کرے اور ان سے

لڑے بھڑے وہ خدا کا مبغوض ممقوت ٹھیرتا ہے اور ایسا ہی جو حاجی دوسرے حاجیوں سے لڑے اور انکو سب و شتم کرے وہ زمرہ عاشقان الٰہی سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ لڑنا بھڑنا اکثر ننگ و ناموس و عزت و جستجو نے آرام و تن پروری کیلئے ہوتا ہے۔ سو ایسا شخص دو وجہ سے زمرہ عشاق سے خارج ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ عاشقان الٰہی کو ایذا دہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی عزت و ننگ و ناموس و آرام کا طالب اور محبوب حقیقی سے غافل ہوا یہی وجہ ہے کہ بعض حاجی وہاں جاکر بعض ایسے امور کے مرتکب ہونے سے سخت دل ہو کر واپس آتے ہیں کیونکہ وہ کوچہ محبوب حقیقی میں جاکر شرائط عاشقانہ کو توڑ کر اسکی نظر سے گر جاتے ہیں اس لئے اس نے ایسے مخطورات کو جو اس محبوب ازلی کی نظر میں مبغوض ممقوت تھے پہلے ہی بنا دیئے کہ مبادا کوئی شخص بحالت عدم علم ان امور کا مرتکب ہو کر مبغوض و مردود ٹھیر جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ **الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج** . ترجمہ :۔ یعنی حج کے مہینے معلوم و مشہور ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھیرالے اسکو چاہیے کہ حج میں جماع و محرکات جماع کا مرتکب نہ ہو اور کسی کو گالی نہ دے اور جھگڑا نہ کرے۔

برکات حج : حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو اسکے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ اسمیں انسان کو عملی صورت میں اختیار سادگی و ترک تکلفات اور کبر کو چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حج کے سارے ارکان کبر اور بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ احباب و اقارب چھوٹ جاتے ہیں۔ نفس پروری اور سستی و کسل کا استیصال ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی یہ بات ہے کہ ہزارہا سال سے انسان کیلئے خدا تعالیٰ کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جس کا ایفاء بذریعہ ادائے حج ہو جاتا ہے پس اس طرح سے اس میں ایفاء عہد کی بھی تعلیم ہے۔

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقاصد نکاح : خدا تعالیٰ قرآن کریم کے پارہ ۲۱ میں فرماتے ہیں :۔ **خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودہ ورحمۃ.** ترجمہ :۔ یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی ونرمی رکھدی اور فرمایا **نساؤکم حرث لکم** یعنی تمہاری عورتیں (تمہاری اولاد پیدا ہونے کیلئے) بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں اور فرمایا **حافظات للغیب** یعنی تمہاری بیویاں تمہاری عدم موجودگی میں (تمہارے مال وعزت ودین کی) حفاظت کرنیوالی ہیں۔ (۱) بی بی آرام اور سکون کیلئے بنائی گئی ہے اور غمگسار اور ہزاروں افکار میں آرام کا موجب ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا فطری امر ہے اور دوستی اور محبت کیلئے بی بی عجیب وغریب چیز ہے۔ عورت نازک بدن اور ضعیف الخلقت ہے اور بچوں کو جننے اور گھر کا انتظام رکھنے میں ذمہ دار اور ایک عظیم الشان بازو ہے پس اسکے متعلق رحم سے کام لو خدا تعالیٰ نے اسکو رحم کیلئے بنایا ہے اسکی غفلتوں اور فطرتی کمزوریوں پر چشم پوشی کرو۔

(۲) آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اسکا محل بی بی کو بنایا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے جس طرح کھیت کا علاج معالجہ ضرور ہوا کرتا ہے اور اس میں خاص غرض ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جس سے متمتع ہونا چاہیے۔

(۳) عورت ننگ وناموس اور مال واولاد کی محافظ اور مہتمم ہے۔

(۴) نیز قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی عفت پرہیزگاری وحفظ صحت وحفظ نسل کیلئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **ویستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ** ترجمہ :۔ یعنی جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں (جو کہ پرہیزگار رہنے کا اصل ذریعہ

ہے) تو ان کو چاہیے کہ اور تدبیروں سے طلب عفت کریں۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے پرہیزگار رہنے کی یہ تدبیر ہے کہ وہ روزہ رکھا کرے اور فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قوت رکھتا ہو تو چاہیے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضا کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے۔ ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔

شرح اسکی یہ ہے کہ جو خواہش مرد کے دل میں عورت کی طرف یا عورت کے دل میں مرد کی طرف ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے۔ اور اسکا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لیجاتا ہے اور اسکے دل میں بد خیالات پیدا کر دیتا ہے۔ پس نکاح کو پاکیزگی کی طرف لیجانے اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے کیلئے موجود ہے اسکو گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنے والا خود خدا تعالیٰ ہے اور اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کیلئے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے ہاں اسکا بر ااستعمال یعنی ناجائز طریقوں سے اسکا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کیطرف لیجانے والا ہے۔ الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ پرہیزگاری ہی کی غرض سے نکاح کرو اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعا کرو جیسا کہ ارشاد ہے محصنین غیر مسا فحین. یعنی چاہیے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو اور فرمایا۔ ابتغوا ما کتب اللہ لکم یعنی بی بی کی قربت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر فرمایا ہے نیز نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے مستعدی کے ساتھ کمانے کی فکر کرتا ہے اور بیجا کام کرنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ محبت، حیا،

فرمانبرداری اس میں پائی جاتی ہے وہ نہایت کفایت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور بے شمار امراض سے بچا رہتا ہے۔

یہ امر مفید صحت، اطمینان بخش، راحت رساں، سرور افزاء، کفایت آمیز، ترقی زندگی درین کا سبب ہے۔ اخلاق مذہبی نگاہ سے اس امر پر غور کروگے تو اسکو سراسر فوائدوں سے معمور پاؤ گے۔ تمدن کیلئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں حب الوطن کی بھی جڑ ہے اور ملک و قوم کیلئے اعلیٰ ترین خدمات میں سے ہے۔ بیماریوں سے بچانے اور صدہا امراض سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ ایک حکمی نسخہ ہے۔ اگر یہ قانون الٰہی بنی آدم میں نافذ نہ ہوتا تو آج دنیا سنسان ہوتی۔ نہ کوئی مکان نہ کوئی باغ نہ کسی قوم کا نشان باقی رہتا۔

وجوہ تعدد ازدواج : (۱) منجملہ وجوہ تعدد ازدواج سب سے مقدم حفظ تقویٰ یعنی پرہیز گار رہنا اور بدی سے بچنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اسکا خیال ہر انسان کو اور سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہیے۔ قدرت نے بعض آدمیوں کو معمولی آدمیوں کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کیلئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور اگر انکو دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے سے روکا جاوے گا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اس لئے ان لوگوں کیلئے جو قوی الشہوت ہیں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری میں پڑنے سے بچے رہیں۔ باقی رہا یہ امر کے قوی الشہوت آدمیوں کو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی یہ اظہر من الشمس ہے۔

(۲) عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے ہمبستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ہر ایک مہینے میں کچھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام حیض جن میں مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے دوسرے ایام حمل عورت کیلئے ایسے ہوتے ہیں خصوصاً اسکے پچھلے مہینے جن میں

کے سامنے آتے جھجکتی ہے عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے لگتی ہے تو شرم کے مارے بار بار اپنی آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاحشہ عورتوں کے سوائے جنکی فطرت قوت حیا بالکل ضائع اور معدوم ہو جاتی ہے باقی سب عورتیں اپنی نیچرل حالت میں مردوں سے حیااور حجاب کرتی ہیں۔ مادہ حیا جو خدا تعالیٰ نے انکی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خاوند کیلئے ہیں کیونکہ کئی مردوں سے تعلق رکھنے میں یہ حیاء رہ نہیں سکتی جیسا بازاری عورتوں میں مشاہدہ ہے۔

(۴) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ایک مرد عند الضرورۃ کئی جورو کر لے تو بھی سب کے ساتھ نباہ سکتا ہے مگر ایک عورت دو خاوندوں کی بی بی ہو کر کبھی نباہ نہیں ہو سکتی اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرد کیلئے کئی جورویں ہو سکتی ہیں مگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند نہیں ہو سکتے۔

(۵) دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کیلئے کئی جورویں ہو سکتی ہیں مگر اسکے برعکس قدرت کی مرضی نہیں

(۶) مرد کو پروردگار نے عورت کی نسبت قوی اور زبردست پیدا کیا ہے اور عورت کو نازک اور ضعیف الاعضاء۔ لہذا اس سے ظاہر ہے کہ قوی کئی زیردستوں کو اپنے ماتحت رکھ سکتا ہے۔ نہ برعکس (۷) قدرتی تعلق کی طرف غور کریں تو ایک عورت کے اگر سو خاوند بھی ہوں تاہم ایک حمل میں وہ ایک دو بچے سے زیادہ جن نہیں سکتی۔ مگر ایک مرد کے چاہے جسقدر جورویں ہوں وہ سب توالد کو پورا کر سکنے کا واسطہ ہو سکتی ہیں۔

بہشت میں مردوں کیلئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کیلئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونے کی وجہ

: (۱) انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز واکرام کے اسباب تو دیئے جاتے ہیں پر رنج و کلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے اسباب انعام میں نہیں دیئے جاتے یہ چیزیں سزا کیلئے ہوتی ہیں بہشت میں جو کچھ ہو گا بطور انعام و جزا ہو گا اگر وہاں ایک مرد کو

متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز واکرام بھی ہے اور راحت و آرام بھی ہے اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت و آرام تو کچھ زیادہ نہ ہوگا خاص کر اس صورت میں جب کہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہش کے برابر بڑھائی جائے جیسے اہل اسلام کی روایات اس پر شاہد ہیں۔ پر بجائے اعزاز واکرام الٹی تحقیر و تذلیل و توہین ہوگی۔ اگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند قرار دیئے جاتے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہوں گے۔ اور حاکم متعدد ہوئے تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں کسی مذہب میں شاید اسکی اجازت ہوتی۔ بہشت میں جو جائے عزت و آرام ہے یہ صورت تحقیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں۔ ہاں اگر ایک خاوند سے رفع ضرورت مقصور نہ ہوتی یا لذت میں کمی رہتی تو اس وقت شاید لاچاری یہ امر ان کیلئے تجویز کیا جاتا مگر روایات صحیحہ اہل اسلام اس پر شاہد ہیں کہ ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت ہوگی کہ علی الاتصال تیس تیس عورتوں کے پاس جاسکے اور جس طرح رب العالمین نے دنیا کے اندر مرد و عورت کی حالت اور فطرت میں اختلاف کیا ہے یعنی مرد حاکم ہے اور عورت محکوم مرد مخدوم ہے اور عورت خادم مرد کا پاسازبر ہے اور عورت بکازیر۔ اسی طرح جنت میں بھی انکی حالتوں میں اختلاف ہوگا۔

عورت کیلئے کیوں ایک ہی خاوند ٹھہرایا گیا اسکی ایک اور وجہ : خدا تعالیٰ نے مردوں کو رسالت و نبوت و خلافت و بادشاہی و امارت میں عورتوں پر فضیلت دی ہے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا تاکہ وہ عورتوں کے مصالح و بہبودی میں کوشاں رہیں اور انکے امور معاش کیلئے چلتے پھرتے رہیں اور خطرناک مقامات میں وارد ہوں اور جنگلوں اور بیابانوں کو طے کریں اور اپنی جانوں کو عورات کیلئے محنت و مشقت میں ڈالیں پس خدا تعالیٰ نے مردوں کو وہ طاقتیں دی ہیں جو عورتوں کو نہیں دیں جب تم مردوں کی محنت و مشقت میں غور کرو گے جو کہ عورتوں کے مصالح و بہتری میں ساعی رہتے ہیں تو تم پر صاف عیاں ہو جائے گا کہ عورات کی محنت مردوں کا

حصہ محنت ومشقت و تحمل میں زیادہ تر ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کے کمال حکمت اور اسکی رحمت پر مبنی ہے پس جب کہ مرد پر اسقدر بوجھ ڈالے گئے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ان بوجھوں کی برداشت کی طاقت بھی زیادہ رکھی گئی ہے اور وہ کئی عورتوں کو بھی رکھ سکتا ہے اور جب کہ عورت پر اسقدر بوجھ نہیں ڈالے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتی اس لئے خدا تعالیٰ نے عورت کی فطرت وسرشت کے مطابق ہر ایک عورت کیلئے ایک ہی خاوند تجویز فرمایا۔

کتاب الرق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی غلامی کی فلاسفی اور سلام سے پہلے غلامی کی حالت : الحمد للہ الذی خلق الناس نوعین الا الیٰ و الا عالی لیتخذ بعضھم بعضا سخریا والصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد المصطفیٰ واحمد المجتبیٰ الذی جعلہ اعدل الناس لیکون لھم اسوۃ حسنۃ وشفیعا وعلی الہ واصحابہ ھذا طریق الحق وحماۃ الاسلام. امابعد واضح ہو کہ جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہوں نے اسکی اس قدر تضیح کی ہے اور اسکو سر تاپا خوبیوں سے اسقدر خالی اور مضرات سے اس قدر پر تاب کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھاوے (جسکا یہ مقصد ہو کہ ہر شئ کی تہہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلئے تیار ہو جبکہ وہ نیکی کا لباس پہنکر نکلے اور نیکی کی اسوقت بھی تعریف کرنے کے لئے امادہ ہو جب کہ تمام دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو اس شخص کا فرض ہوگا کہ ابتداء ہی میں اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ اسلئے میں بھی اس غلط فہمی کو دور کرتا ہوں پس سنئے حق یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو

گزری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق ہی پر تھے بلکہ ضروری تھا کہ ایسے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا تو دنیا میں بہت سے رواج اب تک ایسے چلے آتے ہیں کہ جن پر غور کرو تو وہ دل پر ایک دہشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سے اغراض ترقی کیلئے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتح یاب جرنیل بڑے بڑے جہازوں کو جن پر ہزار ہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم غرق کر کے سمندر کی تہہ میں پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بے شمار بے گناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بے رحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحم دلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے اور اسکے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ وہی دوسرے موقعوں پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر کبھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی' سوسائٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے اور اب تک یہی حال ہے۔ جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اسکی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازم میں سے ہی غلام بھی ہے بلکہ در حقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بے رحمی جاتی رہی جسکی رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے ہوں قتل کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ مگر اس بات کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنیوالی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصل مقصود یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جائیں اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفیں میں سے جو لوگ پکڑ لئے جائیں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جائیں تاکہ دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصلی مقصد حاصل ہو دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتداء میں انسانی سوسائٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں

سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالفوں کے درمیان آکر رہیں گے تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کریں گے اسلئے ضروری ہوا کہ ان کو غلام بنا کر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک ملک میں جسکا ہمیں علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لئے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت میں وہ امر داخل ہو گیا۔ امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کیلئے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کیلئے ضروری تھا اور یوں بغیر مقابلہ اور جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائٹی کی ترقی کے ذرائع تھے۔

اسلام میں غلاموں سے سلوک : یہ ایک امر واقع ہے جسکی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ تحقیر ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو انہوں نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ایک مہذب مغربی جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو اور جہاں تک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانہ میں ایک رومی کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گزرتا ہو گا جب یہ آواز ہمارے کانوں میں نہ پڑتی ہو کہ ایک

غریب پنکھا قلی کو آقا نے مار مار کر صرف اسلئے ہلاک کر دیا کہ اس بد قسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آگئی تھی اس حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جواب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہیں یا کونسی بد سلوکی وہ کرتا تھا جواب نہیں کی جاتی اور گالیاں دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ مہذب مغربی اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اس وقت تک فخر نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکروں پر ظلم اور انکے ساتھ بد سلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کر لیں اگر غلامی موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کر سکتا ہے انکو روکا جاوے اور ان لوگوں کو جو کہ غلام کہلاتے ہیں انکی ذلیل حالت سے نکال کر دوسرے انسانوں کی طرح انکو سمجھا جاوے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو برس پہلے حاصل کر چکا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یورپین دیسی ملازموں کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائے گا کہ وہ انکا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے میں یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیاں گزر جانے کے بہت پیچھے ہے جو ذلت قدیم اقوام میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیوں کی کی جاتی ہے اسلام نے اسکو غلامی کے نام سے قطعاً دور کر دیا اور نہ صرف لفظوں میں ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں شریک ہونے لگا۔ اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا۔ یہ صرف انہیں آقاؤں کی حالت نہ تھی جو سوسائٹی کے درمیانی یا نیچے درجہ میں تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤں کا بھی یہی حال تھا سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلاموں کے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم کی وارد ہے۔ واعبدو اللہ

ولا تشرکو به شیأ وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین والجارزی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً . (النساء رکوع ۶ آیت ۳۶)۔

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں (یعنی دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کریں اور بڑائی مارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں) اس آیت شریفہ میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور دوسرے حصہ میں بعض لوگ جن کے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیے مخصوص کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ انکی طرف زیادہ توجہ ہو ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھہرانا اسلام لانے کیلئے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی کہتی نہیں قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اس قدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ہلیو نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔"

اسکے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قائم کیاوہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مرد اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیئے گئے ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دی گئی اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دی گئی بات بات پر غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی ہے۔ غلاموں کے نکاح کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا چنانچہ فرمایا۔ وانکحو الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرأ یغنیھم اللہ من فضلہ (النور رکوع ۴ آیت ۳۲) ترجمہ اور تم میں سے جن کے ازواج نہیں انکے نکاح کرو۔ اور نیز تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں انکے بھی نکاح کرو اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیگا۔ قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملہ میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا منجملہ انکے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے۔ جس کی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کی گئی ہے۔ یہ ہیں قرآن شریف کے احکام ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام سے آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا اس غرض کے لئے احادیث میں آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر زور ہمارے نبی کریم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا اور پھر خود بھی اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ان اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوۃ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوا ھم ما یغلبھم نان کلفتمو ھم ما یغلبھم فاعینوھم. یعنی یہ تمہارے بھائی تمہارے خدمتگار ہیں اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھ کے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی میں سے اسے بھی پہنادے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو۔

بتاؤ کہ اور کونسا انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کون مصلح ہے جس نے ایسے کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک ایسا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو پھر یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے ایک صحابیؓ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں۔ والذین نفسی بیدہ لولا الجھاد فی سبیل اللہ والحج وبرامی لا جلبت ان اموت وانا مملوک. قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور اپنی ماں کی خدمت نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں۔ پھر غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جائے بلکہ انکی عمدہ پرورش کیلئے بھی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی قال النبی ﷺ ایمارجل کانت لہ جاریۃ فادبھا فاحسن تعلیمھا واعتقھا وتزوجھافلہ اجران. فرمایا نبی کریم ﷺ نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسے آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اسکے لئے دوہرا اجر ہے۔

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے ان کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے' وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی جاوے اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مطمع نظر غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔ بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارہ میں تاکید کی گئی ہے ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لیں۔ صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے اور انہی کو ہیئوں نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں نقل کیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ میں یہاں کر دیتا ہوں۔

اپنے غلاموں کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ۔

جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنے کو نہ دو جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اسکے منہ پر مارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے۔ جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچ کر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اسکے دوستوں سے جدا کرے۔

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑ کر جو اس سے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدائیتیں جاری کیں نہ صرف جاری کیں بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا مگر آج باوجود تیرہ سو سال گذر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص میں اس قدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو درکنار رہا۔ نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔

اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے

کس قدر تاکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے :الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھو یعنی نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور اب تک ذلیل سمجھ رہے ہیں (یعنی غلام) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کس قدر ان کی بہتری کا فکر آپ کو تھا کہ اخیر وقت میں بھی یہی لفظ آپکے منہ سے نکلے آپ کیا چاہتے تھے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپکے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت ﷺ اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا چوتھی مرتبہ جب اس نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ **اعف عن عبدك سبعين مرة في كل يوم.** یعنی تو ہر روز سترہ دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جائے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر ان کی جائے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمتہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ **لا يقل احدكم عبدى وامتى وليقل فتاى وفتاتى وغلامى.** چاہیے کہ تم یہ نہ کہو کہ میرا غلام یا میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ میرا فتا یا فتاۃ یا اے میرے نوجوان (یہ لفظ فتی ہر ایک جوان مرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں لفظ غلام بھی عربی میں عبد اور امۃ کہنے سے اس لئے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر بھی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جن کے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے

جاتے ہیں اور اس نہی کی اور توجیہہ بھی ہے۔ اسکے بعد میں یہ بیان کروں گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک مگر قبل اسکے کہ میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اس قدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک میں فرق ہی کیا تھا۔ اسکا جواب خود آنحضرت ﷺ کی حدیث میں موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالا میرا لذی علی الناس راعٍ وهو مسئول عنهم والرجل راعٍ علیٰ اهل بیته وهو مسئول عنهم والمرأة راعیته علی بیته بعلهاوولده وهو مسئوله عنهم والعبد راع علیٰ مال سیده وهو مسئول عنه** یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس امیر جو لوگوں پر مقرر حاکم ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اسکی اولاد پر حاکم ہے اور اسے ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اس حدیث کی رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے۔ اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز بھی اٹھ جائے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں بلکہ ایک ایسی اخوت قائم کرتا ہے کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو نہ کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشا ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگانے دے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھ کر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو ان سے محروم نہ رکھا جائے البتہ فرق دونوں میں یہ رکھا ہے کہ آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی کرے اور احسان برتے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے

فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو نکالیں۔باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی ﷺ نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپکے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ حضرت انسؓ نے آپ کے واقعات خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اف تک نہیں کیا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی خادم یا کسی عورت کو نہیں مارا۔

آپ کے صادق محبّ اور مخلص بھی آپکے نقش قدم پر ہی چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور انکو نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرنا۔ ابو الہیثم اس غلام کو لے کر گھر گئے اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ غلام دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا کیونکر عمل کر سکتے ہو۔ سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کرو چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام اسی وقت آزاد کر دیا۔ زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکی ناک کاٹ ڈالی غلام آنحضرت ﷺ کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کس نے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے چنانچہ اسی وقت زنباع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولیٰ کہلاؤں گا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اسکے رسولؐ کا مولیٰ۔ چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق آپ جب تک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپؐ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور واقعہ آپکو یاد دلایا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اسکے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر میں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حاکم

مصر کے نام حکم لکھ دیا کہ اسکو اسکے گزارہ کیلئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک اس کا ایفاء ہوا۔

ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہاں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعودؓ یاد رکھو کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اس پر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تم پر ہے ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے اسی وقت اسکو خدا کیلئے آزاد کر دیا آپ نے فرمایا کہ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھالو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اسکی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

کہتے ہیں میں نے ابوذرؓ کو دیکھا کہ وہ ایک عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی کو اس سے مراد کوئی غلام ہے' کچھ برا بھلا کہا۔ اس نے میری شکایت نبی کریم ﷺ کے پاس کی آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اسکی ماں سے اسکو عار دلائی اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلاؤ اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا کان مروڑا اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا آپ نے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپ نے کہا زور سے مروڑ کیونکہ میں قیامت کے دن سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے، تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہوں نے کہا کہ تم نے کیوں ایسا کیا۔ کہا آپکو غصہ دلانے کیلئے۔ آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ دلاؤں گا یعنی شیطان کو۔ جا اور تو خدا کیلئے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اسامہ کو جو کہ حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت ﷺ نے ایک فوج کا افسر بنایا قبل اسکے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا حضرت ابو بکرؓ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں۔ مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔

جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہؓ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانہ میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے۔ جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکال دو انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہے گا یا کرے گا۔ اسکے ہم پابند ہیں۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا۔ انہوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بادشاہ کا سلوک جو اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی ﷺ کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المؤمنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ آپکا غلام بھی تھا۔ مگر سواری کیلئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلئے خلیفہ

اور غلام باری باری اس پر چڑھے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ عبیدہؓ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپکی طرف لگی ہوئی تھیں ابو عبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اسطرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کی اہالی پر برا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا تمام نظرین آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپکا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔

حضرت عمرؓ اس بات کو سن کر غضب میں آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے مجھے ایسے کسی نے نہیں کہا۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے خدا نے اسلام کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی اور اگر ہم ان راہوں سے جو کہ اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں الگ چل کر عزت تلاش کریں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے۔ تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ ایسی اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے بادشاہ اسلام نے دکھایا۔ کیا حضرت عمرؓ اس سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے؟ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر بعد کے زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق کے برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ انہوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی

پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چل کر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں یہی بات یاد رکھنی چاہیے

مگر باوجود ان عملی غلطیوں کے جن میں پچھلے مسلمان پڑ گئے اور مردود زمانہ سے نبی کریم ﷺ کی تعلیم پر کاربند ہونے سے دور جا پڑے یہ امر قابل غور ہے کہ آپ کی نیک تعلیم ایسی انکے خونوں کے اندر رچ گئی تھی یا یوں کہو کہ آپکی قوت قدسی ایسی ان پر غالب آگئی تھی کہ اس پر بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر رہا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ ہمیں اسکا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کی حالت کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ ”مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے“۔

دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ ”جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے انکی شہادت غلاموں کیساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے“ اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں ’غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں عموماً ان سب پر یا ان کے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچہ کی تعلیم کی طرح نہیں کہ سراہتے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کریں اور جب اسکو دیکھیں تو ایک بھی عمل دنیا میں نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہلیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ ”مسلمانوں کا ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلاموں کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا“ ایسا ہی انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہے ”شرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدوروں کی طرح کام کرنے کی

غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے غلام کو خاندان کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جسکے رواج کو اسلام نے روک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کی رو سے جو دنیا سمجھا جاتا ہے اس کو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہاں تک کہ آجکل کی نوکری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کریں گے اور وہ اس خادمی کی حالت سے اس غلامی کی جہالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ غلامی کے معمولی مفہوم کی رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک بھی اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیوں کہا جائے گا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کی طرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ عملی بھی ہے یہ دونوں باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں کہ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے' جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام رہے طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ مارنا اس سے بڑھ کر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدہ میں سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامی کی موقوفی صرف لفظ موقوفی ہے اور حقیقتہً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کیلئے ضروری ہے اسلام ہی کی تعلیم وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے اور جس پر انسان انسانوں کیلئے مفید اور خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

المصالح العقلیہ لاحکام النقلیہ

جلد سوم

کتاب البیوع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : :نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وجہ حلت بیع سلم :اما بعد. بعض اشخاص کا اعتراض ہے کہ بیع سلم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ معدوم اشیاء پر ہوتی ہے اور معدوم اشیاء کی بیع خلاف قیاس و عقل ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا بیع مالیس عندك یعنی اس چیز کی خرید و فروخت نہ کر جو موجود نہ ہو۔

الجواب :۔واضح ہو کہ بیع سلم من وجہ موافق قیاس و عقل کے ہے کیونکہ بیع سلم میں بیان وصف و معرفت قدر و جنس اور بائع کی طرف سے چیز کے ادا کرنے کا ذمہ شرط ہے اور یہ بیع اس معاوضہ کی طرح ہے جو اجارہ میں منافع پر ہو پس بیع سلم کا قیاس من کل الوجوہ معدوم شئ پر کرنا کہ جن کے حاصل ہونے کا احوال معلوم نہ ہو درست نہیں ہے۔ البتہ صورۃً بیع معدوم کے مشابہ ہے لیکن حقیقتاً معنیً بیع موجود کے مشابہ ہے خدا تعالیٰ نے عاقلوں کی فطرت میں اس امر کی تمیز رکھی ہے۔ کہ وہ ان چیزوں میں فرق کرتے ہیں کہ جن کا انسان نہ مالک ہو سکتا ہو اور نہ اس کی مقدار بین ہو اور درمیان ان اشیاء کے کہ جنکو بائع ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور وہ عادۃً انکے ادا کرنے پر قادر ہو یہ تو فرق اجمالی ہے باقی تفصیل فرق وہ رائے پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس میں وحی کی ضرورت ہے پس اس کی جزئیات کے احکام نقل سے تلاش کئے جاویں کہ کہاں یہ درست ہے مثلاً سلم بشرائط اور کہاں یہ درست نہیں مثلاً بیع شمار قبل ظہور۔

جواز اجارہ کی حکمت : جو لوگ اجارہ کو خلاف قیاس کہتے ہیں انکا گمان ہے کہ اجارہ ایک معدوم چیز کی خرید ہے کیونکہ منافع عقد اجارہ کے وقت معدوم ہوتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ

شریعت نے محل منافع کے وجود کو بجائے وجود منافع کے قرار دیا ہے لوگوں کی ضرورت پر نظر کر کے پس وہ گو صورۃً معدوم ہیں۔ مگر معنی موجود ہیں جیسا ابھی ہم سلم میں لکھ چکے ہیں۔

خمرو مردارو خنزیروبت کی خرید وفروخت واجرت زناواجرت کاہن حرام ہونے کی وجہ

: اشیاء کی حرمت کا مدار چند امور پر ہوتا ہے ازانجملہ ایک یہ ہے کہ بعض اشیاء عادت کے اعتبار سے معصیت پر مشتمل ہوں یالوگوں کوان اشیاء سے اس قسم کا فائدہ وتمتع حاصل کرنا مقصود ہووہ ایک قسم کی معصیت وگناہ ہو مثلاً خمروبت وطنبورو غیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزونکی بیع کا طریق جاری کرنے اور انکے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنااور لوگوں کوان معاصی پر آمادہ کرنااور رغبت دلانااور نزدیک کرنا پایا جاتا ہے لہذا مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان چیزوں کا بیع وشراء کرنااور انکا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے کیونکہ اس میں ان معاصی کو دور کرنااور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز واجتناب کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ان اللہ ورسولہ حرام بیع الخمرو المیتۃ والخنزیر والاصنام ترجمہ : یعنی خداتعالیٰ اور اسکے رسول نے شراب اور مردار اور خوک اور بتوں کا خریدو فروخت حرام کیا ہے اور پھر فرمایا۔ ان اللہ اذاحرم شیئا حرم ثمنہ. یعنی خداتعالیٰ جب جس چیز کو حرام کرتا ہے تو اسکی قیمت کو بھی حرام کرتا ہے۔

یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق مقرر ہے۔ مثلاً شراب صرف پینے کیلئے اور بت صرف پرستش کیلئے بنائے جاتے ہیں اور اسلئے خداتعالیٰ نے اسکو حرام کیا ہے۔ پس حکمت الٰہیہ کا مقتضا ہوا کہ انکی بیع کو بھی حرام کیا جاوے اور نیز آپ نے فرمایامھر البغی خبیث یعنی اجرت زنا کی خبیث ہے اور آنحضرت ﷺ نے کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔ اور مغنیہ کے کسب سے بھی نہی فرمائی۔

وجہ یہ ہے کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدووجہ نفع

حاصل کرنا حرام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملات کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر امادہ کرنا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ اور خیال میں فطری طور پر یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ثمن بیع سے پیدا ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس ثمن کیلئے ایک وجود تشبہی ہوتا ہے پس اس بیع اور اس عمل کی خباثت ملاء اعلیٰ کے علم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت عملیہ کا اثر ہوتا ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے شراب کے بارے میں اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی مدد کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور ایک یہ وجہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثلاً مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے ساتھ ملابست کرنے میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور چونکہ کسی قدر مخالطت کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اسلئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت و دشواری ہوتی ہے لہذا اسی قدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک پیروں میں سے جس کی ضرورت شدید واقع ہوتی ہے جیسے کھاد اس کی بیع کی تو اجازت دیدی جاوے تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو اور باقی کو منع کر دیا جاوے کیونکہ اس میں کسی کا حرج نہیں جیسے خمر و خنزیر کی بیع۔

کتاب الاکل والشرب

وجوہ حرمت خنزیر: (۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خوار بے غیرت و دیوث ہے اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر

بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو گا۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہو گا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمادیا۔ جسکی صفات دنیہ شیاطین کے ساتھ بالکل مشابہت رکھتی ہوں اور ملائکہ سے بعید ہونیکا سبب ہوں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہیں۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اسکی خوراک ہے۔ اسکا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اسکا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحب فخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اسکی حرمت کے تیرہ وجوہ ذیل تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے بر خلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ گوشت خوک مولد خلط غلیظ ست و مورث حرص شدید وصداع مزمن دواء الفیل واو جاع المفاسل وفساد عقل وزوال مروت وغیرت وحمیت وباعث فحش است واکثرے از فرق غیر اسلامی آنرا می خورند و قبل از ظہور نور اسلام گوشت آنر اور بازار ہا می فروختند وبعد ازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع و موقوف گردید بسیار کثیف وبد ہیئت است۔

نیز اسکا گوشت کھانے سے انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں

جملہ درندوں اور شکاری پرندوں کے حرام ہونے کی وجہ : سارے درندے جانور جنکی سرشت وفطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور صولت سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھیڑیئے کے بارے میں

فرمایا ہے۔ اویاکل احد یعنی کیا بھیڑ یئے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے۔ یعنی اسکو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ انکی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور انکے دلوں میں رحم نہیں ہوتا اسی واسطے ہر شکاری پرند کے کھانے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمایا انکے کھانے سے ان ہی جیسی خصلت کھانیوالے میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ حرم یوم خیبر کل ذی ناب من السباع . وعن جابرؓ حرم رسول الله ﷺ خیبر الحم الا نسبة ولحوم البغال و کل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر. ترجمہ :۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک ذی ناب درندے کو حرام فرمایا اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن اہلی گدھے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک ذی ناب کو یعنی درندے جانوروں اور پنجوں والے پرندوں کو حرام فرمایا۔

شیر۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ لومڑی۔ نیولا۔ باز۔ شاہین۔ چیل۔ باشا وغیرہ سب حرام ہیں کیونکہ یہ سب ذی ناب اور درندے جانور ہیں۔

وجہ حرمت مردار و خون : (۱) مردار کا حرام ٹھہرانا عین حکمت الٰہی ہے کیونکہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والا روح ہے جب روح اس سے جدا ہو جائے تو اسکی عفونت کو دور کرنے والا نہیں رہتا لہذا وہ عفونت اسکے سارے بدن کو فاسد کر دیتی ہے اور بہت بد مزہ اور بدبو اور بد تاثیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ طفلی سے مُردار خوار ہوتے ہیں انکی صورت و شکل و اخلاق ایسے قبیح ہوتے ہیں کہ گویا انکا مزاج ہی انسانیت سے خارج ہوتا ہے رذالت، طبع و فسادت قلبی انکی فطرت و جبلت ہو جاتی ہے۔

(۲) مردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جسکا نتیجہ انسان کیلئے اچھا نہیں ہوتا

چنانچہ جتنی مردار خوار قومیں ہیں انکی زبان اور عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔

(۳) خون کے اندر اس قسم کا زہر ہوتا ہے جس سے اعصاب کو تشنج اور فالج اور استرخاء ہو جاتا ہے۔

(۴) خون کا کھانا درندوں کے اخلاق کی طرف مائل کرتا ہے اور مزاج میں غصہ و تہمی پیدا کرتا ہے جیسے کہ چماروں اور مردار خواروں میں جو کہ خون کھانے کے معتاد ہیں یہ اخلاق ظاہر ہیں لہذا اقتضائے حکمت الٰہی سے یہ چیزیں حرام کی گئیں۔

(۵) خنزیر و مردار خون کی حرمت کی وجہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گندی چیزیں ہیں انکے کھانے سے انسان کا ظاہر و باطن گندہ بن جاتا ہے اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کے ذبح کرنے اور اسکے کھانے کا حال ہے کہ وہ سبب ہے فاسق ہونے کا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا ان یکون میتة او دما مسفوحا اولحم خنزیر فانه رجس اوفسقا اهل لغیر الله به.** ترجمہ: یعنی حلال نہیں ہے مردار اور خون جاری اور گوشت خوک کا کھانا کیونکہ یہ چیزیں گندی ہیں (ان کے کھانے سے گندے اخلاق گندے اعمال ظاہر ہوتے ہیں) اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا کھانا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ ایسے جانور کے کھانے سے انسان فاسد و بدکار بن جاتا ہے الغرض مردار کا کھانا اس لئے شریعت میں منع ہے کہ مردار کھانیوالے کو بھی اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی اندر رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور در حقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلاویں گے اسی لئے تمام ملل میں مردار جانور ہیں ملل حقہ کا تو اس بات پر اس لئے اتفاق ہوا کہ حظیرۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات کی تفہیم و تلقی ہوئی کہ یہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے

مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار جانور کو غیر مردار سے جدا کیا جاوے اس کا انضباط احکام شرعیہ کی تفصیل سے کیا گیا جن کی وجہ آگے آتی بھی ہے ان سرخیوں میں حرمت مذبوحہ غیر اہل کتاب الخ بوقت ذبح جانور پر الخ غیر اللہ کے نام ذبح کئے ہوئے الخ (تنبیہ) **میتة دم لحم الخنزیر مااهل به لغیر الله** ۔ کے آثار میں یہ تفاوت ہے کہ مردار کا اثر بد جسم پر اور خون کا اثر بد روح پر اور گوشت خوک کا اثر بد اخلاق وعادات پر اور مذبوح باسم غیر اللہ کا اثر بد اعتقادات پر پڑتا ہے۔

کوے کے بعض اقسام ۔ چیل ۔ سانپ ۔ بچھو ۔ چوہے کی وجہ حرمت :

حیوانات کی طبیعت میں آدمیوں کو ایذا دینا اور تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا ہے اور یہ ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں شیطانی 'الہام کے قبول کرنے کا مادہ ہے اسلئے وہ سب حرام ہیں اور احادیث نبویہ میں ان کی تفصیل آئی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے بالفاظ ذیل روایت فرمائی ہے ۔ **قال رسول الله ﷺ خمس فواسق یقتلن فی الحرام الفارة والمقرب والغراب والحدی والکلب العقور** رواه الترمذی۔ ترجمہ ۔ یعنی پانچ جانور جو کہ فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کیا جاوے چوہا۔ بچھو۔ کوا۔ چیل۔ دیوانہ کتا۔

چونکہ حرم کے جانوروں کے مارنے اور شکار کرنے میں نہی تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان جانوروں کو انکی شدت سرکشی وعصیان کے باعث حرم میں بھی مار ڈالنے کا حکم فرمایا کیونکہ باغی وسرکش کو حرم میں بھی امن نہیں مل سکتا پس آنحضرت ﷺ نے ان جانوروں کو فاسق فرما کر ان کی حرمت کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی جو کوئی ان جانوروں کو کھائے گا۔ اس میں فسق کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے دوسرا ان جانوروں کو فاسق کہتے ہیں اس امر کی طرف ایما فرمایا کہ ان جانوروں کو

جس قدر کوئی پالتو بنائے اور انکی پرورش کرے اسکو بالآخر ضرر دیں گے اور حق وعہد تربیت کو توڑ دیں گے۔ اور اس امر کی وجہ کہ آپ نے کیوں ان جانوروں کو حرام نہ کہا اور فاسق فرمایا یہ ہے کہ اگر آپ یہ فرمادیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت کیلئے جسکا آپ یہ فرمادیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت کیلئے جسکا آپکو بیان کرنا مطلوب تھا دوبارہ کلام دوہرانا پڑتا لہٰذا ایک ہی بار میں حرمت اور وجہ حرمت بیان فرمادی اوتیت جوامع الکلم آنحضرت ﷺ کی صفت ہے۔

اب ان جانوروں کی وجہ حرمت ظاہر ہے کہ جو کوئی انکا گوشت کھاوے وہ انہی کے وصف کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان جانوروں کے اوصاف کا مذموم ہونا ظاہر ہے مگر اس سے ہر کو امراد نہیں۔ فقہ میں اسکی تفصیل لکھی ہے۔

وجہ حرمت حشرات الارض ہزار پا وغیرہ : وہ حیوانات جنکی سرشت وفطرت میں ذلت اور گڑھوں میں چھپا رہنا پایا جاتا ہے مثلاً چوہا اور دیگر حشرات الارض وغیرہ جو اس قسم کے جانور ہیں وہ سب حرام ہیں اور انکی وجہ حرمت یہ ہے کہ انکا کھانے والا انہی جانوروں کے اوصاف اور خصلتیں قبول کرتا ہے۔ دوسری وجہ حرمت ان جانوروں کی یہ ہے کہ تمام حشرات الارض میں سمی مادہ ہوتا ہے انکے کھانے سے انسان ہلاک ہوتا ہے۔

وجہ حرمت کتے اور بلی کی : کتا اور بلی دونوں درندے جانور ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں کتا باعتبار اوصاف مذمومہ کے شیطان ہوتا ہے چنانچہ اسکو آنحضرت ﷺ نے شیطان فرمایا ہے پس اس کے کھانے والے کو بھی شیطان اور درندہ بننا پڑتا ہے وہ اوصاف ذمیمہ یہ ہیں کہ کتا خبیث ترین وذلیل ترین وخسیس ترین وحریص ترین حیوانات سے ہے اسکی ہمت اسکے پیٹ سے آگے نہیں گزرتی۔ اسکی شدت حرص میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ چلتا ہے تو شدت حرص کی وجہ سے ناک زمین پر رکھ کر زمین کو سونگھتا جاتا ہے۔ اور اپنے جسم کے سارے اعضاء کو چھوڑ

کر ہمیشہ اپنی دبر کو سونگھتا اور جب اسکی طرف پتھر پھینکو تو وہ فرط حرص و غصہ کی وجہ سے اسکو کاٹتا ہے۔ الغرض یہ جانور بڑا حریص وذلیل ودنی ہمت ہوتا ہے گندے مردار کو بہ نسبت تازے گوشت کے زیادہ پسند کرتا ہے اور نجاست کو بہ نسبت حلوا کے بڑی رغبت سے کھاتا ہے اور جب کسی ایسے مردار پر پہنچے جو صدہا کتوں کو ذرہ برابر کھانے نہیں دیتا اور اسکی بد خلقی میں سے ایک یہ امر بھی عجیب ہے کہ جب وہ کسی خستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے شخص کو دیکھتا ہے تو اسکو بھونکتا اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے گویا اس کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ خاصہ ہے کبر کا اور جب کسی وجیہ اور اچھے لباس والے اور رعب ناک آدمی کو دیکھتا ہے تو اسکا مطیع ہو جاتا ہے گویا اسکے لئے منقاد ہونے سے عار نہیں کرتا تو اہل جاہ کی تخصیص یہ شعبہ ہے تملق کا۔

پس جب کتے کے ایسے اوصاف مذمومہ ہیں تو جو شخص اسکو کھاتا وہ بھی ان ہی اوصاف سے متصف ہوتا۔ لہذا یہ جانور حرام ٹھہرایا گیا اور چونکہ کتا پالنے میں اسکے ساتھ زیادہ تلبس ہوتا ہے جیسا کہ مشاہد ہے اسلئے بلا خاص ضرورت کی صورتوں میں اسکا پالنا بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ اسکی صفات خبیثہ اس شخص میں اثر کریں گی۔ اور چونکہ ان صفات خبیثہ سے ملائکہ کو نفرت ہے تو اس شخص سے ملائکہ بعد اختیار کرتے ہیں چنانچہ وہ ایسے گھر میں بھی نہیں آتے جہاں کتا ہوتا ہے اور سیاست کے ملائکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

وجہ حرمت گرگٹ کی اور اسکے مارنے کی تاکید شدید کا راز: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گرگٹ کے مارنے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض حیوانات کی سرشت و خلقت میں یہ مادہ داخل ہے کہ ان سے مدام افعال قبیحہ وہیئت شیطانیہ صادر ہوتی رہتی ہے اور وہ حیوانات شیطان کے قریب تر ہوتے ہیں اور وسوسہ کے اعتبار سے اسی کے تابع ہوتے ہیں۔

اور رسول کریم ﷺ نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی ان ہی حیوانات میں سے ہے اور

اس بات پر آپ نے آگاہ فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کو پھونکتا تھا۔ شیطان کے وسوسہ کے سبب سے اسکا یہ کام مقتضائے طبع سے تھا۔ اگرچہ اسکے پھونکنے سے آگ میں کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ گرگٹ کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی۔ ایک تو یہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذاء کا اندفاع ہے گویا اس میں لشکر شیطانی کا توڑنا اور اسکے وسوسہ کا دور کرنا ہے۔ دوسری وجہ اسکے گوشت کا مضر ہونا۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں گرگٹ کے متعلق لکھا ہے کہ کسے

رانمی گزد وچوں بگز دکشندہ است ومعالجہ ندارد وگوشت آں سم قاتل است وعارض می گردداز خوردن آں تے دوجع فوآد ہمیشہ نظر بآفتاب دار دور ایام گرما چہرہ آن سرخ میگر دود بنالہ آں بلند وچشمہائے آں بجمع۔ جہالت حرکت میکند برائے آنکہ صید خود را بہر طرف کہ باشد بہ بیند وچوں صید او مگس وامثال آں ست نزدیک او آید بسرعت زبان خود را بر می آرد وآں را می رباید واز دور کہ می بیند رفتہ آں را صید می کند وحشرات سمی مانند ہزارپا وعقرب را صید می کند ومیخورد۔ اس سے بھی اس جانور کی حرمت کی ایک وجہ صاف ظاہر ہے کہ اسکا گوشت قاتل ومہلک ہوتا ہے۔

الو وچمگادڑ کی وجہ حرمت : ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ غذا کا اثر بدن کے علاوہ روحانی اخلاقی واطوار پر بھی ہوتا ہے۔ اس پرندہ یعنی الو کی حماقت اور بیوقوفی وذلت ثابت شدہ امر بلکہ ضرب المثل ہے چنانچہ جب کوئی حماقت وبیوقوفی کا کام کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں الو تو نے ایسا کام کیوں کیا۔ صاحب مخزن لکھتا ہے کہ خوردن گوشت آں مورث ابلہی وبیوقوفی در جمیع امور است یعنی اس جانور کا گوشت کھانے سے انسان میں کند ذہنی وحماقت بیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔ اس جانور کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اسکو کھاتا اسکو الو بننا پڑتا یہی حال چمگادڑ کا ہے کہ اس جانور کی فطری کوربینی وحماقت وذلت بھی ایسی مشہور ومعروف ہے کہ ضرب المثل ہوگئی ہے چنانچہ جب کوئی ظاہر وباہر حق کو نہیں مانتا تو اسکو کہا کرتے ہیں شیرے است کہ روز روشن راشب قرار می دہد۔ یعنی چمگادڑ ہے کہ روز روشن کو رات قرار دیتا ہے پس جو کوئی اس جانور کو کھاتا اسکی

حقائق بینی کی آنکھ میں کوری پیدا ہوتی۔ لہذا اس جانور کا کھانا بھی حرام ہوا۔

گدھے اور خچر کی حرمت کی وجہ : وہ حیوانات جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن بھی ان میں بھرے رہتے ہیں مثلاً گدھا جو علاوہ اس تلبس نجاست کے حماقت وبیوقوفی وذلت میں بھی ضرب المثل ہے چنانچہ جو کوئی بیوقوفی وحماقت کا کام کرتا ہے تو اسکو گدھے کا خطاب ملتا ہے پس اگر ایسے جانور کا گوشت کھائے تو بالضرور اس میں ذلت اور حماقت وبیوقوفی وبے تمیزی کا اثر آجائے اور یہ جانور مزاج نوع انسان کے مخالف ہے لہذا طب کے اعتبار سے بھی اسکو کھانا نہ چاہیے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک ایسے جانور کے کھانے اور اسکا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے اسکی وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ جب جانور کے اعضاء نے نجاست کو جذب کر لیا اور وہ اسکے اجزاء میں پھیل گئی تو اسکا حکم بھی مثل نجاست یا اس جانور کے مثل ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

وجہ پیدائش جانوران واشیاء حرام : (۱) سوال۔ جب کہ بعض جانوروں اور بعض اشیاء کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور انکو اس پر حرام ٹھہرایا گیا ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے انکو کیوں پیدا کیا ہے۔ وہ کس کام آتے ہیں۔

جواب خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً** یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمام وہ چیزیں جو زمین میں ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر ایک چیز کا استعمال ایک وجہ سے حرام ہے تو دوسری وجہ سے حلال ہے۔ دیکھو گدھے کا کھانا حرام ہے مگر اس پر سواری کرنا اور اس پر بوجھ لادنا حلال ہے۔ ایسا ہی تمام درندہ جانوروں کا کھانا حرام ہے مگر انکے چمڑوں کی پوستین بنا کر پہننا حلال ہے ایسا ہی اور حرام جانوروں اور اشیائے محرمہ کے متعلق سمجھ لو کہ من وجہ انکا استعمال حرام ہے اور من وجہ حلال ہے اور جس جانور سے کسی قسم کا

انتفاع حلال نہ ہو اس سے قدرت پر استدلال تو ہو سکتا ہے یہ بھی اسکے پیدا کرنے میں ایک حکمت ہے علاوہ انتفاع واستعمال کے انکے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محرمات خدا تعالیٰ کی باڑ میں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں الالکل ملك حمی وان حمی الله تعالی محارمة. ترجمہ : سنو کہ ایک بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اسکے محرمات ہیں پس اس میں بندوں کا امتحان بھی ہے

خلاصہ وجوہ حرمت حیوانات واشیاء محرمہ : تمام وہ جانور جو حرام کئے گئے ہیں انکی وجوہ حرمت ذیل ہیں

(۱) خباثت وگندگی

(۲) درندگی یعنی ایسے جانوروں کے کھانے سے انسان درندہ طبع بن جاتا ہے۔

(۳) شیطانی امور سے مشابہت۔

(۴) سمیت بعض جانور وچیزیں زہر دار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

(۵) بداخلاقی یعنی بعض جانوروں کے کھانے سے انسان بداخلاق بن جاتا ہے۔

(۶) بداعتقادی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ماأهل به لغير الله کا کھانا

وجہ حرمت چھپکلی : مخزن الادویہ میں لکھا ہے اسم آں وزغ است ولیکن مصطح آں است کہ بری آں راسام ابرص وبلدی راوزغ می نامند کہ بفارسی چلپاسہ می نامند خوردن آں مورث سل وامراض رویہ است۔ اس سے حرمت کی وجہ ظاہر ہلاکت ہے۔

حرمت میں مذبوحہ غیر اہل کتاب ومذبوح بنام غیر اللہ ومردار کے برابر ہونے کی وجہ : مذکورہ بالا امور پر حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوال وجواب لکھے ہیں ہم ان کا ترجمہ مخلصاً یہاں درج کر دیتے ہیں۔

سوال مذبوحہ غیر اہل کتاب و مردار کی حرمت میں برابری کی کیا وجہ ہے گویا سائل کا یہ خیال ہے کہ جب کہ مردار میں یہ خون جذب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے مگر غیر اہل کتاب اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے ذبح سے خون جذب نہیں ہوتا تو پھر اس سے کس طرح جانور حرام ٹھہرایا جاتا ہے۔

جواب (۱) یہ بات غلط ہے کہ مردار کی حرمت کا سبب ایک ہی امر کو یعنی خون کے جذب ہونے کو قرار دیا جاوے بلکہ حرمت مردار کی بہت سی وجوہ اسباب ہیں اگر صرف جذب خون کی وجہ سے حرمت مردار ہوتی تو اس سوال کو وقعت ہوتی مگر جب کہ مردہ جانور کے حرمت کے متعدد اسباب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ ہونے سے اور اسباب حرمت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سبب معدوم کا کوئی اور سبب خلیفہ اور قائم مقام ہو جاتا ہے جس سے مردہ جانور کو حرام کہا جاتا ہے

اور یہ اسباب اور وجوہ عقلاً بیشمار ہو سکتے ہیں پس صرف وجہ کے ظاہر نہ ہونے سے حکم شریعت سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے شریعت نے کوئی وجہ رکھی ہو گی اس کا کچھ مختصر بیان بطور نمونہ کے آئندہ کی ان دو سرخیوں میں آوے گا۔ بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ)

سوال۔ کیا شریعت اسلامیہ نے دونوں قسم کے مردہ جانوروں میں برابری نہیں کی ہے حالانکہ انکی موت کے مختلف اسباب ہیں گویا شریعت نے دو مختلف اور متضاد باتوں کو جمع کیا اور دو متماثل اور مشابہ امور کو الگ الگ کر دیا کیونکہ ذبح کرنا در حقیقت ظاہری و حسی طور پر ایک قسم کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ذبح کی بعض صورتوں سے حیوان کو مردار ہونے سے خارج کیا اور بعض صورتوں سے حیوان کو مردار قرار دیا حالانکہ کوئی وجہ فرق کی نہیں پس اس میں دو متماثل امور کو الگ الگ کر دیا پھر اس مذبوح علی غیر اسم اللہ کو اور میتہ کو ایک حکم میں داخل کیا تو اس میں دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا۔ ؟

جواب شریعت نے دونوں مرداروں کے لغوی نام میں برابری نہیں رکھی بلکہ انکے اسم شرعی میں برابری رکھی ہے پس مردار کا شرع میں بہ نسبت لغت کے عام ہے اور شارع علیہ السلام لغوی ناموں میں کبھی نقل سے اور کبھی عموم سے اور کبھی خصوص سے تصرف کرتے ہیں۔ اور اہل عرف بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں پس یہ بات شرع و عرف میں منکر نہیں ہے باقی حرمت میں انکو اسلئے یکساں ٹھہرایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر' پلیدیاں حرام کی ہیں۔ مکھی اور پلیدی جو کہ موجب حرمت ہوتی ہے اسکو بھی کبھی شارع علیہ السلام ظاہر فرماتا ہے اور کبھی پوشیدہ رکھتا ہے اور جو پوشیدہ ہو اس پر ایک علامت رکھ دی ہے جو اسکی خباثت پر دلالت کرے۔ پس مردار میں تو جذب خون سبب ظاہر موجود ہے اور مجوس اور مرتد اور تارک تسمیہ کے مذبوحہ میں اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو ایسے مذمومہ جانور میں بھی ایسی پوشیدہ خباثت اور پلیدی میراث کر جاتی ہے جو کہ موجب حرمت مذبوحہ ہے۔ اور اسکے خفی ہونے کے سبب ایک علامت اسکے وجود پر قائم کردی ہے یعنی علی اسم اللہ اسکا ذبح نہ ہونا اور اس سبب خفی کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ بھی فرمایا ہے یعنی جن جانوروں پر خدا تعالیٰ کا نام بوقت ذبح نہیں لیا جاتا انکو خدا تعالیٰ فسق فرماتا ہے اور فسق پلیدی ہے پس جہاں پلیدی ہو وہاں حرمت ضرور لاحق ہو جاتی ہے ولا تاکلوا مالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (انعام ۸)

توضیح اسکی یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک نام مذبوحہ کو پاک کرتا ہے اور ذبح کرنیوالے اور مذبوح جانور سے شیطان سے دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے جب خدا تعالیٰ کا نام مذبوح پر نہ لیا جائے تو ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور میں شیطان سرایت کر جاتا ہے اور شیطان کی خباثت جانور میں تاثیر کرتی ہے کیونکہ شیطان جانور کے خون کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور خون ہی اسکا حامل ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان الشیطان یجری من بنی ادم کمجری الدم. یعنی شیطان بنی آدم میں اسکے رگ وریشہ اور خون کے جاری ہونے کے مقاموں میں چلتا ہے اور وہ سب پلیدیوں سے بڑھ کر ہے پس جب ذبح کرنے والا خدا تعالیٰ کا نام لیتا

ہے تو شیطان خون کے ساتھ ہی خارج ہو جاتا ہے اور مذبوحہ پاک ہو جاتی ہے اور اگر اللہ پاک کا نام نہ لیا جاوے تو وہ پلیدی خارج نہیں ہوتی اور جب خدا تعالیٰ کے دشمن یعنی شیطان اور بتوں کا نام مذبوحہ پر لیا جاوے تو مذبوح میں پلیدی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

رہا یہ کہ جب ذابح مجوسی وغیرہ ہو گو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرے اسکی حرمت کا سبب یہ ہے کہ ذبح کرنا قائم مقام عبادت الٰہی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے دونوں کو جمع کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے **فصل لربك وانحر. قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین والبدن جعلنا هالکم من شعائر اللہ لکم فیها خیر فاذکرواسم اللہ علیها فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها واطمه للقانع والمغر کذالك سخرنا مالکم لعلکم تشکرون لن ینال اللہ لحومها ولا دمائها ولکن یناله التقوی منکم.** خدا تعالیٰ نے بتادیا کہ ہم نے ان جانوروں کو ان لوگوں کو مسخر کیا اور حلال ٹھہرایا کہ ان پر خدائے تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کو تو انسان سے تقویٰ منظور ہے جس سے مراد خدائے تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کر کے اسکا قرب چاہنا اور وقت ذبح جانوروں پر خدا کا نام لینا ہے اور جب وقت ذبح حیوانات پر خدائے تعالیٰ کا نام نہ لینے سے کھانا منع اور ناپسند ہے کیونکہ اس مکروہ فعل سے ان مذبوح جانوروں میں پلیدی کا اثر ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر مذبوح پر خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام لیا جاوے تو وہ مذبوح مردار کی طرح ہو جاتا ہے جیسا ابھی قریب بیان ہوا پس جب کہ تسمیہ ترک کرنے اور خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور نام لینے سے مذبوح حرام ہو جاتا ہے تو جسکو خدائے تعالیٰ کا دشمن ذبح کرے جو ناپاک ترین مخلوقات ہے اسکا مذبوح جانور بالاولیٰ حرام ہو گا کیونکہ ذبح کرنیوالے کا فعل و ارادہ اور سکی خباثت بالضرور مذبوح میں مؤثر ہوتی ہے۔

جب کہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہو کر گوشت ہی بن جاتا ہے تو پھر اسکی حرمت کی کیا وجہ ہے

: اسکی تحقیق کہ آیا بعد مرگ خون گوشت

میں جذب ہو جاتا ہے یا وہ بعد استحالہ کے گوشت بنجاتا ہے یہ ہے کہ مستحیل ہونے کیلئے تو قوت ہاضمہ کی اور قوت محیلہ کی یعنی اس قوت کی جسکا کام یہ ہے کہ ایک شئ کو دوسرے کی طرف مستحیل کر دے ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتیں جیسے قوت باصرہ اور سب قوائے حیوانی حیات ہی کے ساتھ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعضائے حیوانی مثل چشم و گوش وغیرہ ان قویٰ کیلئے ایسے ہیں جیسے آئینہ نور کیلئے یعنی قابل اور مفذ سو جیسے اصل نور آئینہ میں نہیں ہوتا بلکہ آفتاب میں ہوتا ہے ایسے ہی اصل قوائے حیوانی نفوس حیوانی میں ہوتے ہیں اعضاء میں نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینہ بے امداد آفتاب نور کے اعتبار سے بیکار ہیں اس صورت میں بعد مرگ استحالہ ممکن نہیں۔ نہ وہ جذب ہی ہوگا جو بعد مرگ کاٹو تو خون نہیں نکلتا اور جذب ہوا تو پھر ناپاکی یقینی ہے

جانور کو حلق سے ذبح کرنے کی حکمت : (۱) جانور کو حلق سے اسلئے ذبح کیا جاتا ہے کہ مجمع خون کا دل اور جگر ہے اور خون کو اس جگہ سے نکالنے کا نزدیک تر یہی راہ ہے۔ اس واسطے طبیبوں کے یہاں مقرر ہے کہ اس جگہ کے مواد کو قے کرا کر نکالتے ہیں۔

(۲) اگر جانور کے بدن کا لہو کسی اور طرف سے نکالا جاوے تو جانور دیر میں مرتا اور اسکو تکلیف بہت ہوتی ہے اور حلق سے ذبح کرنے سے جلدی مر جاتا ہے۔

(۳) سانس کی آمد و رفت کا یہی راہ ہے اور سانس ممد روح ہے لہذا روح اور مرکب روح یعنی خون کو اسی راہ سے نکالنا مناسب ہے۔

(۴) روح اور خون غذا سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا اسی راہ سے جاتی ہے لہذا روح و خون کو جدا کرنے کی مناسب راہ یہی ہے۔

وجہ حلت مچھلی و ٹڈی بغیر ذبح : (۱) مچھلی اس وجہ سے ذبح نہیں کی جاتی کہ اسکے بدن کا اصلی مادہ پانی ہے اور پانی بالطبع پاک اور پاک کرنے والا ہے بس جیسے کہ نجاست پانی میں اثر نہیں کرتی ایسا ہی آبی جانور کی روح جدا ہونے سے اس میں نجاست اثر نہ کرے گی اور حاجت ذبح کی نہ

رہی اور ٹڈی اس سبب سے ذبح نہیں کی جاتی کہ وہ خون جاری نہیں رکھتی اور تعلق اسکی روح کا بدن سے بلاواسطہ خون کے مثل تعلق روح پہاڑ اور درخت اور دیگر جمادات کے ہے اور اسطرح کے تعلق کا جدا ہونا موجب نجاست نہیں ہوتا کیونکہ اس جدائی سے خون جذب نہیں ہوا اور اس علت میں اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام حشرات الارض مشترک ہیں مگر وہ بسبب ذاتی خباثت اور غذائے نجس و مضر ہونے کے حرام ہیں۔ بخلاف مچھلی ڈنڈی کے کہ وہ ذاتی وعارضی خباثت سے پاک وسالم ہیں۔ اسی واسطے ان دونوں کیلئے خاص استثناء ہوا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان الحوت والجرا دوالدمان الکبد والطحال. ترجمہ: یعنی ہمارے لئے دو میت اور دو خون حلال کئے گئے لیکن دو میتوں سے مراد تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔ اور جگر اور تلی دو عضو ہیں مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس شبہ کو رفع کر دیا جو ان سے پیدا ہوتا تھا نیز مچھلی میں مثل ٹڈی کے دم مسفوح یعنی خون رواں نہیں ہوتا لہٰذا اسکے لئے بھی ذبح کرنا مشروع نہیں ہوا۔

شتر اور گاؤ اور گاؤ میش اور بھیڑ اور بکری اور دنبہ کی حلت کی وجہ: (۱) یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستھرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لئے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اس توافق واعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اسکا حیوانات سے ہو اور اسکی خوراک کیلئے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اسکے مزاج کے موافق ہوں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) جبکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اسکی خوراک میں جمال و جلال دونوں کا ہونا مناسب تھا

لہٰذا انسان کی خوراک کیلئے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔

ہرن گورخر، خرگوش شتر مرغ کی حلت کی وجہ : وہ جانور جو جنگل میں رہتے ہیں اور بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں وہ سب حلال ہیں کیونکہ ان میں بہیمۃ الانعام کے پاک و ستھرے سے اوصاف موجود ہیں اور وہ مزاج انسان کے موافق اور مطابق ہیں مثلاً ہرن گورخر شتر مرغ وغیرہ۔ ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی شخص نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آنحضرت ﷺ نے اسکو قبول فرما کر تناول فرمایا۔

وجہ حلت مرغ و مرغابی و کنجشک و کبوتر و مانند آں : ان پرندوں کا گوشت مزاج انسانی کے موافق و مفید ہے لہٰذا حلال ٹھہرے۔

بہشت ہیں حلت شراب کی وجہ : سوال شراب جو دنیا میں ممنوعات اور محرمات سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائے گی۔

جواب : (۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے چنانچہ قرآن کریم میں بہشتی شراب کی صفت یوں فرمائی ہے۔ وسقھم ربھم شراباً طھورا. ترجمہ۔ یعنی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے خدا ان کو پاک شراب طہور پلائے گا۔ جو خود بھی پاک ہو گی اور دل کو کامل طور پر پاک کر دے گی۔

اور بہشتی شراب کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے۔ وکاس من معین لا یصدعون عنھا ولا ینزفون الی قولہ تعالی. لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلاً سلاماً سلاماً. ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کی طرح مصفی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہو گی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو اور بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی۔ بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت کی نشانی ہے سننے میں آئیگا۔ شرح

اسکی یہ ہے کہ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسرا سرور اور ان دونوں میں باہم تضاد ہے نشہ بیہوشی کا نام ہے اور بیہوشی میں نہ رنج ہوتا ہے نہ راحت نہ غم نہ خوشی۔ اس صورت میں دونوں کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا کہ تمام مرکبات عنصریات میں گرمی و سردی کا اجتماع ہوتا ہے مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں ایک شئ کی تاثیر یہ دونوں نہیں ہو سکتیں اور اس وجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایسی ہی وجہ مذکور نشہ اور سرور شے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا۔ کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور چیز کی خاصیت۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جسکی خاصیت نشہ ہے بلکہ قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اسکو جدا کر دیں تو پھر اس صورت میں شراب فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے گا اور بے شک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہو گی۔

غرض یہ ہے کہ علت حرمت شراب کی تمام عقلاً اور قائلان حرمت کے نزدیک یہی نشہ ہے اور اہل اسلام اسکی حرمت کے جبھی قائل ہیں جب تک اس میں نشہ ہو۔ اگر شراب سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے تو وہ پھر اسکے پینے میں تامل نہیں کرتے۔ ادھر قرآن و حدیث و فقہ میں بھی یہی وجہ مذکور ہے بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدی چیز کے ساتھ قائم ہے اور اس وجہ سے اسکا جدا ہونا ممکن تو در صورت جدائی فقط وہ سرور ہی شراب میں باقی رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے۔ بوجہ بیہوشی نہیں پیتا سو کلام اللہ میں لذت کا ثبوت ہے جو مادہ سرور ہے اور نشہ کی نفی ہے جو وجہ ممانعت تھی چنانچہ لفظ لا لغو فیھا ولا تاثیم. اس پر شاہد ہے پھر دنیا میں نشہ کی چیزوں کی اسی وجہ سے ممانعت تھی کہ نشہ کے وقت حکام خداوندی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے بعد مرگ تمام احکام ساقط ہو جاتے ہیں بہشت میں ہر کوئی فرائض و واجبات وغیرہ سے فارغ البال ہو گا۔ وہاں اگر شراب حلال ہو جائے تو کیا حرج ہے

برتن میں مکھی پڑنے سے اسکو اس میں غوطہ دے کر نکالنے کی وجہ : نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه ثم لیطرحه فان فی احدجنا حیه شفاء وفی الاخرداء. ترجمہ: جب کہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو مکھی کو اس میں ڈوبا کر پھر اسکو پھینک دو کیونکہ اسکے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حیوان کے اندر اسکی طبیعت کو تدبیر بدن کیلئے پیدا کیا ہے وہ طبیعت اکثر اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف کی طرف دور کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی اکثر اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اسکی طبیعت اسی مادہ فاسد کو اسکے عضو خسیس یعنی پر کی طرف پھینکتی رہتی ہے اور خدا کی حکمت یہ ہے کہ جس چیز میں زہر رکھا ہے تو اس میں تریاقیہ مادہ بھی رکھا ہے۔ چنانچہ سانپ کے زہر کا تریاق سانپ کے سر میں ہوتا ہے ایسا ہی اور جانوروں کا ہوتا ہے ورنہ اگر جانوروں میں زہر تو ہو مگر ان میں تریاقی مادہ نہ ہو تو کوئی جانور زندہ نہ رہ سکے۔

پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ

: عن ابی هریرةؓ قال رسول الله ﷺ اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء فاذا ارادان یعود فلیخ الاناء ثم لیعد ان کان یرید. یعنی حضرت ابی ہریرہؓ حضور ﷺ سے راوی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پینے لگے تو برتن میں سانس نہ لیوے اور پھر جب سانس لینا چاہے تو برتن کو منہ سے ہٹالیوے اور پھر جب پینے کا ارادہ کرے تو برتن منہ سے لگاوے۔ دوسری حدیث میں ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے راوی ہیں۔ لم یکن الرسول اللهﷺ ینفخ فی الشراب یعنی رسول کریم ﷺ پانی میں نہ پھونکتے تھے۔

اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں۔ نهی رسول اللهﷺ ان

ینفخ فی الاناء. یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔(ابن ماجہ) سانس کا پانی میں لینا یا پانی میں پھونکنا اسلئے منع ہوا کہ سانس تمام گندے بخارات لیکر باہر آتا ہے اور پانی میں سانس لیا جاوے یا پانی میں پھونکا جاوے تو ان متعفنہ بخارات سے پانی متاثر ہو جاتا ہے جو اندر سے باہر آتے ہیں اور اس طرح سے وہی بخارات اندر چلے جاتے ہیں جن سے حدوث امراض کا خطرہ ہے۔ انسان کے اندر آمدورفت سانس کی گویا الٰہی مشین ہے جسکے ذریعہ سے گندے اور متعفن مادے ہر دم باہر نکلتے ہیں اور تازہ ہوا اس کے اندر آتی رہتی ہے اور اسکے ذریعہ سے انسان کی صحت قائم رہتی ہے۔ الغرض اندر کے گندے اور متعفن بخارات اور مادے جو سانس کے ذریعہ سے باہر آتے ہی انکو کھانے پینے والی چیزوں میں سانس کے ذریعہ سے ڈالنا ممنوع ہوا کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کیلئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا : انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ اسکی غذا اصلی گوشت ہے اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کو جتنی چیزیں دی گئی ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کیلئے ہیں اس لئے ان سے صاف عیاں ہے کہ یہ دیکھنے سننے کی اجازت ہے ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرما لیجئے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جدا تاثیر ہے۔ لہذا جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا۔ جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر ضرورت ناجائز ہوگا کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے۔ اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اسلئے سور اور شیر وغیرہ درندے بوجہ بد اخلاقی کے قابل ممانعت ہو گئے اور انکا کھانا انسان پر حرام ہو گیا۔ تاکہ انکے کھانے سے مزاج میں بد خلقی نہ پیدا ہو جائے جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی حیوانات کے کھانے سے انکے مزاج کے موافق انسان میں اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

گوشت ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں

: ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں اور اس بات کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ غذا کا اثر جسم پر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا غذا کا مزاج ہو۔ گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی کا پیدا ہونا مسلم ہے اسی طرح حیوانات کے کھانے سے انسانی اوصاف کا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے مدام یعنی ہمیشہ ترکاریاں اور غلے گیہو جو وغیرہ کھانے سے انسان میں نرمی و علم و حلم و رحم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور گوشت کھانے سے اس میں شجاعت و جسارت و قوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے لہٰذا اسکے لئے بقول اور گوشت دونوں قسم کی غذائیں حلال ہوئیں اگر انسان سے قوت غضبیہ بالکل مفقود ہو جائے تو انسانی صفت سے محروم رہ جائے اور اسکے بہت سے امور خلل پذیر ہو جائیں کہیں گرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں سردی کی حاجت، کبھی تلخ ادویہ مفید ہوتی ہیں اور گاہے شیریں سے حاجت بر آری ہوتی ہے۔ جہاں تلخ ادویہ کے ساتھ معالجہ کرنا ہو وہاں شیریں اشیاء کا استعمال کرنا سراسر نقصان دہ، غیر مفید ہوگا۔ کبھی غصے و غضب سے ہی کام نکلتا ہے اور نرمی سے بگڑتا ہے اور گاہے نرمی و رفق و حلم سے معاملہ سنورتا ہے اور غصہ و غضب سے خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح اغذیہ کو سمجھ لو اور مرچ جیسی تیز اور نیم جیسی تلخ اشیاء اور قند جیسی شیریں چیزوں کا انسان کیلئے پیدا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ انسان کو مدام ایک ہی چیز کا استعمال کرنا مضر ہے۔ گاہے تلخ اور گاہے شیریں، گاہے غلہ و میوہ جات و سبزی اور گاہے گوشت، گاہے رحم اور گاہے غضب کا برتاؤ کرے اور اسی طریق سے عدالت قائم ہو سکتی ہے۔

انسان میں قوت غضبیہ و حلم وغیرہ کی حکمت : انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور موقع قویٰ کو استعمال کرے گا انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بحری کی

فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جائے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو ملی ہے۔ تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ کر پھینک دیا جاوے اسکو خدا پر اعتراض آتا ہے۔ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔

پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بری نہیں ہے بلکہ انکی بد استعمال بری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **جزاء سیئة مثلها فمن عفی واصلح فاجره علی الله** یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اسکی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کر دو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا یہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقع گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔

پس اس طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت غصہ دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مہذب قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ کسی جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا پس مجرم کے حق میں اور نیز عامۂ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے میں یا سزا دینے میں پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔

بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز: ہر تاثیر کے لئے ایک موثر چاہیے اور ایک قابل آفتاب کی تاثیر سے جو آئینہ منور ہو جاتا ہے اور آتشیں شیشہ میں شعاعیں آجاتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں آفتاب موثر ہے اور آئینہ اور آتشیں شیشہ متاثر اور قابل اگر ادھر آفتاب نہ ہو یہ نورانیت جو آئینہ میں آجاتی ہے اور یہ سوزش جو آتشیں شیشہ میں پیدا ہو جاتی ہے ظہور نہ کرے اور اگر ادھر آئینہ اور آتشیں شیشہ نہ ہو تب بھی یہ نورانیت اور یہ سوزش ظاہر نہ ہو۔ اسی طرح تکبیر وغیرہ ذکر اللہ موثر ہیں اور حیوانات معینہ قابل اور متاثر اگر موثر کی جانب بالکل خالی ہو یا بجائے ذکر اللہ کچھ اور ہو جب بھی حلت متصور نہیں اور اگر قابل کی جانب بالکل خالی ہو یا سوائے معینہ کے اور کوئی حیوان ہو تب بھی حلت متصور نہیں اب تکبیر کے موثر ہونے کی وجہ سمجھو کہ جب حکمت الٰہی نے انسان کے لئے ان حیوانات کو جو زندگی میں اس کے مثل ہیں مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی تو واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالنے کے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہو اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام ان پر ذکر کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم من بیھمۃ الانعام ۔ترجمہ یعنی خدا تعالیٰ کا نام لیں اس چیز پر جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی چارپایوں میں سے۔شرح اس کی یہ ہے کہ غلہ، پھل وغیرہ نباتات کا بنی آدم کے لئے ہونا تو ظاہر تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کو زندگی محال تھی البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لئے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ مثل بنی آدم کے دست وپا و چشم وگوش وغیرہ اعضاء وقویٰ ان کے حق میں بھی آلات انتفاع ہیں پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے ہیں البتہ نباتات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذاء ذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذا ہے کیونکہ قتل ہے لاریب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جاوے تو خدا تعالیٰ کی مملوکات ومخلوقات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا اسلئے اس کی اجازت کی ضرورت پڑی۔ مگر ہر کس وناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اس وقت متصور ہے جب تصرف کرنیوالا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر کسی اور کو سوائے مالک کے مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیر مالک ممانعت ضرور ہے علی ہذا القیاس انعام کی توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حقوق مالکیت اسی کو ادا کئے جائیں اور اگر بالفرض، مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں تو اس وقت انعام کی جگہ الٹا مستحق سزا ہوگا اسلئے بغرض رفع اشتباہ ذبح کے وقت مالکیت اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کیوجہ : اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا مگر یہ ٹھہرے تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضروری ہے تاکہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی ذات کا محتاج نہیں یا بدوں

اجازت خدا کے عمدہ عمدہ مملوکات میں خاطر خواہ تصرف کر سکتا ہے جس سے اسکا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے پھر اس پر اس اعلان میں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام سن کر حیوانات کو بوجہ اعتقاد خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی جان دینی سہل ہو جائے۔

القصہ خداوند عالم مالک الملک ہے اور حیوانات اسکی متاع۔ اسلئے ان کا حلال ہونا اگر وقت ذبح خدا کا نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گراں نہیں ہوتا کہ اسکی اجازت سے اسکی مملوکات میں تصرف کیا جائے پھر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا اور اگر اجازت کے سوائے یہ بھی پیش آجائے کہ تصرف کرنیوالا اس شئ کو کسی اور کے نام کہتا پھر اور اسی کے نام سے اس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا الٹی سزائے بغاوت اسکے لئے تجویز کی جائے گی اور وہ چیز اس سے چھین لی جائے گی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسے ذبیح کو جس پر غیر خدا کا نام بوقت ذبح لیا جاوے یا غیر خدا کا سمجھ کر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی موجہ ہوگی۔

حرمت شراب وقمار بازی کی وجہ : چونکہ لوگوں کی معاش اور خانگی تدابیر اور سیاست مدن یعنی شہروں کا انتظام بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہو سکتی اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہلچل پڑ جاتی ہے اس سے جنگ وجدال اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور طبائع انسان میں جو بیہودہ خواہشیں ہیں وہ بھی عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں پھر ان میں ایسے ایسیر ذائل کا میلان ہو جاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کر دیتے ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں اسی روک ٹوک کے لئے شراب کو حرام کیا گیا۔ شراب میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہو سکتی تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب درہم برہم ہو جاتے ہیں

اسلئے شارع نے شراب کو نجاسات میں داخل کیا ہے چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے شراب ناپاک اور شیطان کا فعل ہے رجس من عمل الشیطان اس لئے خدا نے اس کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے حکمت آلہیہ کا یہی اقتضا ہوا کہ اس کو پیشاب اور پاخانہ کی برابر کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے اور اس کی حرمت کے اور بھی وجوہ ہیں جب فسادوں کے جامع ہیں چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔انمایرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدوکم عن ذکر اللہ وعن اصلواۃ فھل انتم منتھون۔ترجمہ شیطان چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بغض شراب اور جوئے سے اور روکے تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم باز بھی آؤ گے نبی علیہ الصلواۃ والسلام فرماتے ہیں۔ماسکر کثیرۃ فقلیلہ حرام۔یعنی جو چیز بہت نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے قماربازی یعنی جوا اس لئے حرام ہے کہ اس سے مال ناحق ضائع ہوتا ہے اور جھگڑے پیدا ہوتے اور تدابیر مطلوبہ متروک ہو جاتی ہیں اور معاونت جس پر کہ تمدنی زندگی کا دارومدار ہے اس سے انسان اعتراض کرتا ہے اگر ہمارے اس بیان کی تصدیق نہ ہو تو پھر غور کرو کہ کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی اور آسودہ حال نہ دیکھا ہو گا ایسا ہی شراب پینے والے کا حال ہے ان کے مضار و فساد بیشمار ہیں اور جس گھر یا قوم وملک میں شراب کی کثرت ہو گی وہاں مصائب کی کثرت ہو گی یہی وجہ ہے کہ ممالک یورپ میں کثرت شراب نوشی کے باعث مصائب جرم کی بھی یوماً فیوماً ترقی ہو رہی ہے دور نہ جاؤ یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی 3 1/3 ملین سے زائد نہیں ہے لیکن ایک لاکھ نوہزار شراب خانے ملک میں موجو ہیں یعنی ہر پنتیس شخصوں کے لئے جن میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں ایک شراب خانہ ہے گذشتہ نصف صدی میں بلجیم کی آبادی میں فی صدی پچاس کی ترقی ہوئی لیکن شراب خانہ فی صد دو سو اٹھاون زیادہ ہوئے اہل بلجیم ایک سال میں ۵۵ گیلن شراب پیتے ہیں اور مجموعی مقدار دو کروڑ دس لاکھ چالیس ہزار پونڈ شراب میں صرف کرتے ہیں یعنی روزانہ ستاون ہزار چھ سو پونڈ کی شراب

خرچ ہوتی ہے فی کس 3 1/3 پونڈ اور فی خاندان پندرہ پونڈ سالانہ کا حساب بالاوسط ہے اس شراب خوری واسراف کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھی ہوئی ہے مجرموں میں فی صدی اسی خود کشی کرتے ہیں ۴۷ قید خانہ رہتے ہیں ۹۷ فقر وفاقہ میں بسر کرتے ہیں اور ۵۷ فی صدی مجنون اور پاگل ہیں حقیقت میں اسلام نے شراب کو حرام کر کے نوع انسانی پر غیر معمولی احسان کیا ہے اسلام میں مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتائی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کس قدر نفرت ہے ہم اس جگہ یہ سوال نہیں کرتے کہ اگر خلاف اسلام کوئی مذہب نفسانیت کی راہ نہیں بتاتا تو کیوں اس میں شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیونکہ یہ مضمون اس وقت زیر بحث نہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خواری کو قطعاً روک دینا اس امر کی یقینی اور قطعی، شہادت نہیں ہے کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانیوالا اور استبازی اور روح ودل کی پاکیزگی کی طرف بلانے والا ہے اگر اسلام ایک نفسانی مذہب تھا۔ اور اسکی غرض بھی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے ذریعے بتادے اور انکی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا۔

ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائٹی کیلئے تجویز کئے گئے تھے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلئے تجویز کئے گئے تھے اور آجکل مہذب اقوام کے لئے وہ موزوں نہیں بہر حال ان مہذبوں سے جو آجکل شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی افسوس ہے کہ لوگ واقعات کی بناء پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال دل میں بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہیں جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے مگر اس حقیقی پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے حالانکہ اس شہوانیت کو جس کی طرف شراب خوری انسانوں کو لے جارہی ہے پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے شراب ہی وہ چیز ہے جو

انسان کے نفسانی جذبات کو جوش میں لاتی ہے اسی شراب خوری کی علت کو اسلام نے جڑ سے کاٹ کر انسانوں کو حیوانی جذبات سے آزاد کر دیا ہے ابھی تک دنیا اس حقیقی نور سے بے خبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آیا جاتا ہے کہ جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کے لئے کھولی جائیں گی اور جب اسلام کے اصول دنیا کو معلوم ہوں گے تب سمجھ میں آئے گا کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم و گمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

حرمت سود کی وجہ : سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاء نہ کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں جھگڑوں اور عام خصومتوں کا گمان غالب ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی اسلئے اس پیشہ کو حرام ٹھہرایا گیا۔ عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول ﷺ اکل الربرا وموکله وشاهديه وکاتبه (مسلم وترمذی شریف) ترجمہ۔ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یاایها الذین امنو ااتقواالله وذروا ما بقی من الربوان کنتم مومنین فان لم تفعلو فاذنوا بحرب من الله ورسوله ترجمہ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اسکے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور دینے کی ممانعت اسلئے ہے کہ اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خوار بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے پس اس اعتبار خاص سے یہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو

سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن قوموں کا پیشہ سود خواری کا تھا وہ بالآخر ذلیل و مطرود ہو گئیں۔ منجملہ ان کے قوم یہود ہے کہ چپہ بھر انکی کہیں سلطنت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر انکو نکلنا پڑتا ہے اسکی جڑ یہی ہے کہ یہ سود خوار قوم ہے جب لوگ سمجھتے ہیں کہ انکے نیچے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سود خواروں کے اخلاق بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کیلئے ایک سود خوار سے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپے میں دیدوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود 1/4 لاکھ ہو جاتا۔ لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے انکے مبلغات پر امیسری نوٹوں کے بدلہ میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا حالانکہ بارہ سو برس کا بارہ سو برس میں نے اسلئے کہا کہ تیرہویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کر دیا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں انکی تحریم کی علت ذرا غامض ہے یعنی اس کا سمجھنا مشکل ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

حرمت سود پر دلائل قویۃ قرآن شریف کی وہ آیات جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے

: دوسری آیۃ جس میں سود خواری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پر زور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے۔ یا ایھا الذین امنو ااتقو االله وزر واما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فأ ذ نوابحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم رئوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون . وان کان ذو عسرۃفنظرۃ الیٰ میسرۃ وان تصد

قوا خیر الکم ان کنتم تعلمون (بقرہ) یعنی اے مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کیلئے ہوشیار ہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ اور زیادہ بہتر ہے کہ اسکو خود ہی معاف کر دو۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ : کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اس لئے مشروع ہے کہ اس فعل سے انسان جملہ امراض متعدیہ سے محفوظ ‘مصوٴن رہتا ہے کیونکہ اجرام موزیہ جو کہ مورث امراض متعدیۃً ہوتے ہیں وہ ہاتھ دھونے سے اتر جاتے ہیں اور انسان کے اندر نہیں داخل ہوتے۔

کتاب الجنایات والحدود

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد: واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے محصن نبی آدم کی خاطر بآرام ودامن زندگی بسر کرنے کیلئے کچھ ایسے قوانین اور احکام مقرر فرمائے جو نبی آدم کے پیش نظر رہنے سے وہ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں اور جو کوئی ان قوانین کا نقض کرے اسکی سزا دہی کے مشاہدہ سے باقیوں کیلئے عبرت ہو۔

زانی محصن وغیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ : محصن کی حد سنگساری اور غیر محصن کی حد درے لگانا ہے اور محصن وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں۔ آزاد مسلمان عاقل بالغ۔ اس نے کسی عورت سے صحیح نکاح کیا ہو اس سے ہمبستر بھی ہوا ہو اور وہ عورت بھی انہیں صفات سے موصوف ہو اور رجم میں ان شرائط کا ہونا اسلئے مقرر ہوا کہ رجم سزائے شدید ہے اور ان صفات میں نعمت مزید ہے چنانچہ ظاہر ہے تو جلائل نعم یعنی بڑی نعمتوں کے ساتھ جرم کا ارتکاب عقوبت شدیدہ کا

موجب ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ امور خاص طور پر زنا سے مانع ہیں چنانچہ عقل کا مانع ہونا کون نہیں جانتا اسی طرح بلوغ سے عقل کا کمال ہوتا ہے اسلام خود فواحش سے زاجر ہے یعنی بے حیائی کے کاموں سے روکنے والا ہے آزاد آدمی نکاح صحیح پر اپنے اختیار سے قادر ہے اور وطی سے سیری ہو جاتی ہے اور حلال سے سیر ہو جانا حرام سے خود مانع ہے جو مرغوب ہو اور یہ صفات رغبت کی مکمل ہیں۔ کیونکہ مجنونہ کی صحبت سے نفرت ظاہر ہے اور نابالغہ کو چونکہ خود رغبت کم ہوتی ہے اسلئے اسکی طرف مرد کو بھی کم رغبت ہوتی ہے اور مملوکہ کی صحبت میں اسلئے بے رغبتی ہوتی ہے کہ اندیشہ اولاد کے غلام ہونے کا ہوتا ہے اور کافر عورت سے بھی بوجہ اختلاف دین کے رغبت کم ہوتی ہے۔ اور جانبین میں ان صفات کے ہونے سے نعمت اور رغبت منکوحہ کامل ہے اور دونون بالغ قوی ہیں ارتکاب جرم سے پھر بھی ارتکاب کرنا موجب ہوگا عقوبت شدیدہ کا اور وہ رجم ہے اور ان صفات کے نہ ہونے سے موانع اتنے قوی نہیں گو موانع اس وقت ہیں۔ کیا اسلام اور عقل وبلوغ مانع نہیں ہیں موانع کے ہونے کے سبب تو عقوبت مشروع ہوئی اور ان کے اس درجہ قوی نہ ہونے سے وہ عقوبت خفیف ہوئی اور وہ درے لگنا ہے۔ (من الہدایہ ملخصا۔)

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا کی سزا میں شرمگاہ نہ کاٹنے کی

وجہ : چور کی سزا میں چور کا ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ نہ کاٹنا خدا تعالیٰ کی نہایت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور اسکی رحمت اور اسکی مخلوق کی مصلحت میں جائز نہیں ہے۔ کہ ہر مجرم کا وہی عضو کاٹا جائے جس سے اس نے گناہ کیا ہو کیونکہ اس طرح ہر ایک بد نظر کی آنکھ نکالی جاتی اور بری بات کے سننے والے کے کان کاٹے جاتے اور ہر بد زبانی کرنے والے کی زبان کاٹنی پڑتی اور ہر ایک ظلم سے طمانچہ مارنے والے کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ اور اس طرح کی سزا میں جو زیادتی و تجاوز کرنا پڑتا وہ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عدم لحاظ مراتب ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اسکی صفات عالیہ اور اسکے افعال حمیدہ اس امر کو نہیں

چاہتے کیونکہ حد مقرر کرنا محض امن ہی کیلئے نہیں ہے ورنہ اگر اس امر کا ارادہ ہوتا تو مجرم کو قتل کرنا ہی لازم ہوتا حد مقرر کرنے سے مقصود خود مرتکب کو گناہ پر توبیخ وزجر کرنا اور سزا دینا اور آئندہ کیلئے عبرت دلانا منظور ہے اور دوسرے آدمی ایک کی سزا سے عبرت پکڑیں اور نیز یہ بھی کہ مجرم عذاب وسزا سے ' خالص توبہ کی طرف رجوع کرے اور یہ بھی کہ حد کی سزا سے انسان کو عذاب آخرت یاد آجاوے اور مصالح بنی آدم کو سمجھ کر بھی آئندہ بدیوں سے باز آجاوے اور یہ مصالح قطع اعضاء کو مقتضی نہیں مطلق سزا کو مقتضی ہیں پھر یہ بات کہ چور کیلئے قطع ید کیوں تجویز کیا سو اس میں ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ چور چوری پوشیدہ طور پر کرتا ہے۔ جیسا کہ سرقہ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کی طرف چوری سے دیکھتا ہے جب کہ وہ اسکو خفیہ نظر سے دیکھتا ہو اور نہ چاہتا ہو کہ اسکو کوئی معلوم کرے۔ سو چوری کا کرنیوالا پوشیدہ اور خائف رہتا ہے کہ مبادا اس سے کوئی واقف ہو تو ماخوذ ہو جائے اور جب وہ کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اپنے آپکو چھڑانے کیلئے بھاگنا اختیار کرتا ہے اور اس بھاگنے میں قوت ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں ہاتھ انسان کیلئے ایسے ہیں کہ جیسا پرندہ کیلئے اڑنے کے دو بازو ہوتے ہیں۔ اور پاؤں کا دخل بھاگنے میں ظاہر ہے پس' چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا اس کی بازوئے قوت کو کوتاہ کرنے اور دوبارہ چوری کرے تو اسکو آسانی پکڑنے کیلئے ہے۔ جب پہلی دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک بازو کاٹا جائے تاکہ اسکی دوڑ دھوپ میں کمزوری واقع ہو جائے پھر دوسری دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک پاؤں قطع کیا جاوے تاکہ اسے بھاگنے میں زیادہ کمزوری ہو جاوے اور کوئی بھی اسکو بھاگنے نہ دے۔ اور اس کے بعد تیسری چوتھی بار میں چوری کرنا اس کا نادر ہے اسطرح پھر قطع سزا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ اگر نادراً ایسا کرے محبوس کیا جاوے تاکہ لوگ اسکے دکھ سے آرام پائیں۔

اور زانی کی شرمگاہ سزا میں اس لئے نہیں قطع کی جاتی کہ زانی تو سارے بدن کے ساتھ زنا کرتا ہے اور تمام بدن سے لذت لیتا اور قضائے شہوت کرتا ہے اور زنا کا فعل اکثر زانیہ کی مرضی ورضا پر بھی ہوتا ہے وہ اس امر سے نہیں ڈرتا جس سے چور ڈرتا ہے یعنی طلب کرنے اور ڈھونڈنے سے۔ اس

لئے زنا میں غیر محصن کے سارے بدن کو درے لگانے اور محصن کو تمام بدن کے سنگسار کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔ باقی یہ کہ اس میں سنگساری تجویز ہی نہ ہوتی صرف دروں پر کفایت کی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ زنا سے نسب ملجاتے ہیں اور نسب ملجانے سے تعارف و شناخت اور دین کے زندہ کرنے کی امداد باطل ہو جاتی ہے اور اس میں ہلاکت کشت و تباہی نسل انسانی لازم آتی ہے پس زنا اکثر امور میں قتل سے ' مشابہت رکھتا ہے لہذا اسکی بعض صورتوں میں قصاص سے توبیخ و تنبیہ کی گئی تاکہ ایسا فعل کرنے سے اور لوگ رک جائیں اور دنیا میں امن واصلاح ہو کیونکہ اصلاح سے انسان عبادات الہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اور عبادات الہی نعمائے اخروی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

نیز زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے میں اسکو آئندہ نسل سے محروم ٹھہرانا لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے بر خلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کی اولاد وذریت انکی عوارت سے بکثرت پیدا ہو اور قطع شرمگاہ سے قطع نسل لازم آتا ہے لہذا یہ امر مشروع نہ ہوا۔

نیز زانی کی شرمگاہ قطع کرنے میں بے ستری بھی ہے اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سارے بدن سے جرم زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر سارے جسم کو چھوڑ کر ایک عضو کو سزا دینا خلاف عدم تھا لہذا عدل اس امر کا مقتضی ہوا کہ زانی کے سارے جسم کو سزا دیجائے۔

شراب خوری زنا لواطت سرقہ میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ : حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ماکان من المعاصی محرم الجنس کالظلم والفواحش فان الشارع لم یشرع له کفارة لهذا الا کفارة فی الزنا وشرب الخمر وقذف' المحصنات والسرقة ولیس ذلك تخفیفا من مرتکبها بل لان الکفارة لا نعمل نی هذا الجنس من المعاصی وانما عملها فیما کان مباحانی الاصل وحرم لعارض

کالوطی فی الصیام والاحرام. ترجمہ۔ جو گناہ حرام کی جنس سے ہوں مثلاً ظلم اور امور فاحشہ انکے لئے شارع نے کوئی کفارہ مقرر و مشروع نہیں فرمایا اس لئے زنا شراب خوری محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے اور چوری کرنے میں کوئی کفارہ مشروع نہیں ہوا اور ان گناہوں کا کفارہ مشروع نہ ہونا ان کے ارتکاب کرنے والوں سے تخفیف نہیں ہے بلکہ ان میں کفارہ اسلئے مشروع نہیں ہوا کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ اثر نہیں کرتا کفارہ کا اثر وہاں ہے کہ جو امر دراصل مباح ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جاوے مثلاً ماہ رمضان و حالت احرام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے مگر اور عنوان صدر کے گناہ فی نفسہ کبائر اور بڑے سخت گناہ ہیں اس لئے ان مین سزا ہی ہے کفارہ نہیں۔

حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اور عورت کی دبر میں جماع کرنے سے عدم کفارہ کا راز

: عن ابن مسعودؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی الذی یاتی امراۃ وھی حائض قال یتصدق بدنیار اوبنصف دینار۔ ترجمہ اس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ صدقہ دیدے (ابن ماجہ) ہم قبل ازیں اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ امور جو دراصل مباح ہیں مگر کسی عارضی امر سے حرام ہو جاویں ان کا ارتکاب ایسی عارضی حالت میں موجب کفارہ ہے سو حالت حیض میں جماع کا حرام ہونا عارض حیض سے ہے لہذا اس میں کفارہ مقرر ہوا اور یہ امر موافق ہی سے ہے اور دبر میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اس لئے مقرر نہیں ہوا کہ یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا۔ پس کفارات میں شارع کا یہی طریق ہے کہ جو امور مباح ہیں اور کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں ان میں کفارات نہیں اور جو امر مدام حرام ہیں ان میں حدود و تعزیرات ہیں اور یہ امر نہایت مطابق حکمت و مصلحت کے ہے۔

قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے کی وجہ

: قتل میں دو گواہ پر

اکتفا کرنا اور زنا میں چار گواہ مانگنا نہایت حکمت و مصلحت الٰہی پر مبنی ہے کیونکہ شارع کا مقصود قصاص وحد زنا میں احتیاط کرنا ہے سو قتل میں تو وہ احتیاط یہ ہوئی کہ اگر قتل میں چار گواہ مطلوب ہوتے تو خونریزیاں بکثرت ہوتیں اور لوگ قتل میں زیادہ دلیر ہوتے اور اکثر مقتولوں کے قاتل قصاص سے بچ کر زیادہ خونریزی کا باعث ہوتے اور زنا میں وہ احتیاط یہ ہوئی کہ زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے میں اس امر کی زیادہ پردہ پوشی ہے پس زنا کے متعلق ایسے چار گواہ مطلوب ہوئے جو فعل زنا و چشم دید واقعہ زنا ایسے طور سے بیان کریں جس میں احتمال و گمان کا شائبہ نہ ہو ایسا ہی اقرار زنا میں چار بار سے کم اقرار پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ اسمیں بھی اس امر کی پردہ پوشی میں مبالغہ ہے جس کا اظہار کرنا خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے چنانچہ اس امر شنیع و قبیح کی مومنوں میں اشاعت کرنے والے کے لئے خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا ہونا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے

شراب کا ایک قطرہ پینے سے وجوب حد اور کئی سیر بول پینے و گندگی کھانے سے عدم وجوب کی وجہ

:(۱) یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں سے اور مطابق عقول سلیمہ اور موافق مصالح عامہ کے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں بول پینے و گندگی کھانے سے جبلی و طبعی نفرت و کراہت رکھی ہے اور یہ طبعی نفرت ہی انسان کو ایسے امور پر اقدام کرنے سے روکنے میں کافی ووافی ہے لہذا اس میں حد کی ضرورت نہ ہوئی اور شراب پینے کے لئے طبیعتوں کے زیادہ تر خواہشمند ہونے سے ان کے لئے سخت سزا کا مقرر کرنا مناسب ہوا تاکہ کم اور بیش ہر مقدار کے شراب پینے سے لوگ رک جائیں یہی وجہ ہے کہ تھوڑی سی شراب پینے سے بھی اگرچہ وہ نشہ آور نہ ہو حد مقرر ہوئی کیونکہ تھوڑا سا شراب پینا بہت کی طرف داعی ہے۔

(۲) شراب پینے سے جو فساد و ضرر لازم و متعدی ہوتے ہیں وہ بول پینے و گندگی کھانے کی بہ نسبت کئی چند زیادہ ہے لیکن بول پینے یا گندگی کھانے کی مضرت اسی شخص تک محدود رہتی ہے جو پیتا یا کھاتا ہے اور وہ بھی اتنی شدید نہیں جس قدر شراب میں بوجہ زوال عقل شدید ہے۔

حکمت حدود و کفارات : حدود و کفارے سے اس لئے بھی مقرر ہوئے کہ گناہوں پر زجر و توبیخ لوگوں کو ہوتی رہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لیذوق وبال امرہ. ترجمہ یعنی تاکہ اپنے کیے کا مزہ چکھے اگر حدود مقرر نہ ہوتے تو سرکش لوگ شرارتوں سے باز نہ آتے اور سرکشی میں بڑھتے۔ کفارات بھی اسی امر کیلئے ٹھہرائے گئے ہیں اور کچھ مصالح حدود کے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

وجہ قصاص : قصاص قتل و جنگ و فساد کو باز رکھنے کیلئے قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب. ترجمہ۔ یعنی اے عقلمند و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

حرمت قتل کی وجہ : اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں و بربادیاں ظاہر ہوں اس واسطے قتل حرام ہوا۔ پس قتل اگر تجویز ہو گا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز ہو گا اور قتل کے علاوہ کبھی دوسرے اسباب بھی ہلاک کیلئے اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی مثل قتل ہی کے حرام ہیں۔ مثلاً کبھی لوگوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ و فکر ہوتا ہے اس لئے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں یہ بھی قتل کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے تو بچنا مشکل ہے سو ایسے امور بھی خرابی تمدن کے سبب اور پبلک میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

حرمت سرقہ کی وجہ : معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے یہ قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اس میں مویشی چرائیں کھیتی باڑی زراعت تجارت سے معاش پیدا کریں اور اطمینان معاش کے اعانت سے شہروں و دیہات میں مذہب کا انتظام کریں

اس وجہ سے لازم ہوگا کہ چوری اور غضب سے پرہیز کریں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان سے تمدن میں خلل آتا ہے اور یہ امن عام میں اختلال کی صورت ہے اس لئے یہ امور خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔

حرمت زنا کی وجہ :(۱) فاسق و فاجر کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ تدابیر نافعہ کے تو معتقد ہیں لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کراتی ہیں وہ خود خوب جانتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں اور لوگوں کی بہو بیٹیوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی انکی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصہ سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے اور ایسے اثروں کا ہونا انتظام تمدن کیلئے سخت مضر ہے لیکن باوجود اس جاننے کے خواہشات نفسانیہ انکو اندھا کر دیتی ہیں اور راز اس وجدانی اثر کا یہ ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو اس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے اور زنا کی اصل یہی مزاحمت ہے اسلئے یہ خیال اور یہ اثر ہر شخص کا فطری اور وجدانی ہو گیا ہے پس ایک سبب تو حرمت زنا کا یہ امر فطری ہے اور دوسرا سبب ایک مصلحت عقلی ہے وہ یہ کہ زنا سے خلط نسب ہو جاتا ہے۔ اور نیز وہ قتل اور فساد کا منبع ہے اس لئے بھی یہ طریق نہایت قبیح اور برا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اسکے منع کرنے میں فرماتا ہے۔ **لا تقربو الزنا انه كان فاحشه وساء سبيلا**. ترجمہ یعنی ان اسباب کے نزدیک بھی نہ جاؤ جن سے زنا تک نوبت پہنچے کیونکہ زنا بے حیائی کا کام اور برا طریق ہے کیونکہ اگر یہ راہ نکلے تو مفاسد مذکورہ جو کہ عظیم ہیں لازم آئیں اور اسباب کے نزدیک نہ جانے کا یہ مطلب ہے کہ بیگانہ عورت کو نہ دیکھو اور نہ اس کے حسن و محاسن کی باتیں سنو جن کو دیکھ کر یا سن کر تمہارے خیالات زنا کی طرف برانگیختہ ہوں اور جن سے زنا تک نوبت پہنچے۔

حرمت لواطت کی وجہ : ایسی عادت سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے اس طریق سے گویا

انسان نظام آلہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقے سے قضائے حاجت کرتا ہے اس وجہ سے ان افعال کا برا اور مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن ان کے جواز کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کی جائے تو شرم وحیا سے مر جانا گوار کرتے ہیں ہاں جو منبع فطرت سے جدا ہو گئے ہوں تو ان کو پھر کسی کی حیا باقی نہیں رہتی اور بر ملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

حد' تعزیز' کفارہ میں کیا فرق ہے : حد عربی لفظ ہے اس کے معنی باز رکھنے اور انداز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ کی سزا دینے کا جو اندازہ خدا نے اس طرح مقرر و معین کر دیا کہ اس میں کسی کی رائے سے کمی وبیشی نہیں ہو سکتی اس کو حد کہتے ہیں مثلاً محصن زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ محصن کو درے لگانا اور چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ

اور تعزیر وہ ہے کہ جس گناہ کی سزا میں خدا تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ اسکی سزا حسب حال زمان و مکان حکام کی رائے پر چھوڑی گئی ہے۔ البتہ اس کیلئے کچھ کلیات بتلا دیئے ہیں کہ انکی مخالفت جائز نہیں لغت میں تعزیر کے معنی ادب دنیا تعظیم کرنا آئے ہیں سو یہ امر بھی خدا تعالیٰ کے احکام کی عزت و تعظیم کیلئے قائم کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں احکام الہی کی عزت و شوکت قائم رہے اور انکی ہتک عزت نہ ہو اور یہ دونوں افعال غیر مباحہ کی سزا میں مقرر ہوئے ہیں۔

اور کفارہ وہ ہے جو ایسے امور میں بطور بدلہ و تاوان کے مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائیں مثلاً ماہ رمضان اور حالت احرام میں جماع کرنا کہ اول کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے پے در پے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا وے اور ثانی کا کفارہ قربانی دینا ہے اعلام الموقعین میں لکھا ہے۔ واما التعزیر ففی کل معصیة لاحد فیها ولا کفارة فان المعاصی ثلثة انواع نوع فیه الحدو کفارة فیه ونوع فیه

الکفارۃ ولا حدفیه ونوع لاحد فیه ولا کفارۃ فالاول کا لسرقۃ والزنا والقذف والثانی کالوطی فی نهار رمضان والوطی فی الاحرام والثالث قبلته الا جنبیة والخلوۃ بها ودخول الحمام بغیر میزر واکل المیتة والدم ولحم الخنزیر ونحوذ لك فاما لنوع الاول فالحد فیه معنٍ عن التعزیر واما الثانی فهل یجب مع الکفارۃ فیه تعزیر ام الاعلی قولین واما الثالث ففیه التعزیر قولاً واحداً. ترجمہ۔ تعزیر ان گناہوں جن میں مشروع ہے کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کے تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جن میں حد مقرر ہے اور کفارہ ان میں مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جن میں کفارہ ہے اور حد مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جن میں نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کفارہ ہے پہلی قسم جیسے چوری زنا۔ تہمت لگانا۔ ان میں حد مقرر ہے اور دوسری قسم یعنی وہ جن میں صرف کفارہ مقرر ہے حد نہیں جیسے ماہ رمضان کے دن میں یا حالت احرام میں جماع کرنا اور تیسری قسم یعنی وہ جن میں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ ہے صرف تعزیر ہے جسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا اور اسکے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا اور حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا اور مردار گوشت خوک کھانا وغیرہ سو پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے اور دوسری میں آیا کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ اور تیسری میں محض تعزیر ہے بلا اختلاف۔

وجہ حرمت وعدہ شکنی : عہد شکنی اس لئے حرام ہے کہ جس انسان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وعدہ شکنی سے اسکو ضرور تکلیف پہنچتی ہے اس کو وعدہ کنند پر اعتبار وانتظار سا رہتا ہے جب وعدہ کنندہ دیدہ ودانستہ کسی کو ضرور تکلیف پہنچانے کی غرض سے ناحق وعدہ توڑتا ہے تو خطیرۃ القدس سے اس پر لعنت الٰہی برستی اور ملائکہ رحمت کی توجہ اس سے برگشتہ ہو جاتی ہے اور ملال وحزن کی صورتیں اس کے دامنگیر ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوفو بالعقرد کا امر فرمایا ہے تاکہ انسان نقض عہد کی وجہ سے مستحق لعنت نہ بنیں۔

داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ : داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے چھوٹے بڑے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کیلئے ایک قسم کا جمال اور انکی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری ہوا اور اسکا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اسمیں خلق الٰہی کی تغیر بھی پائی جاتی ہے داڑھی ترشوانے کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیلوں میں شمار ہو جاتے ہیں تمام انبیاء صلحاء داڑھی رکھتے آئے ہیں اگر داڑھی منڈوانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے منڈواتے کیونکہ ایسے لوگ تمام دنیا کیلئے بہتری و بھلائی کا نمونہ بن کر آیا کرتے ہیں اور مونچھیں کٹوانے کی وجہ یہ ہے کہ جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کھاتا یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ بھی مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ **خالفو االمشکرین قصوالشوارب واعفوا اللحی** یعنی مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

عقوق والدین کی حرام ہونے کیوجہ : والدین اولاد کی تربیت میں ایسے ایسے شدائد جھیلتے اور انکی پرورش میں محنتیں اور مشقتیں اپنی جانوں پر برداشت کرتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اسلئے والدین کی خدمت گذاری کرنا لازمی طریقہ قرار دیا گیا۔

شطرنج بازی، کبوتر، بٹیر بازی، پتنگ بازی، آتش بازی وغیرہ کی حرمت کی وجہ : بعض لوگ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہو جاتے ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جسکی وجہ سے دنیا و آخرت کی ضروریات سے بے فکری ہو جاتی ہے اور اوقات ان میں ضائع ہو جاتے ہیں جیسے شطرنج اور کبوتر بازی اور بٹیر بازی اور دیگر جانوروں کا لڑانا وغیرہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے نہیں ٹلتا پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام

ہو جائے تو یہ لوگ تمام شہر پر بوجھ پڑ جائیں اور اپنی اور اپنی جان کی انکو خبر نہ رہے۔ اس لئے ان مشاغل سے منع کر دیا گیا چنانچہ ایک بار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو ایک کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیطان ہے، جو کہ ایک شیطان کے پیچھے جاتا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ شطرنج کے بارہ میں روایات موجود ہیں۔ اور ایسے ہی مفاسد جن جن امور میں ہوں وہ سب بھی اس حکم میں شریک ہوں گے۔

مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کے ممنوع ہونے کی وجہ : (۱) سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اگر ایسے ہی اغراض سے سونے کے زیور پہننے کا عام دستور جاری ہو جاوے کہ مرد اور عورت سب کو عام ہو جاوے تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے کہ اس میں مردوں کو صرف انگشتری کی اجازت دینے سے یہ مفسدہ لازم نہیں آتا۔ رہی یہ بات کہ عورتوں کو کیوں اجازت ہوئی۔ سو اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ انکے خاوندوں کو رغبت ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے اس لئے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ زینت کی اجازت دی جائے لہذا آنحضرت ﷺ نے مع اظہار اس فرق کے فرمایا ہے احل الذهب والحرير لأناث امتي وحرم علىٰ ذكورها ۔ یعنی سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کی لئے حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر حرام کیا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تم میں سے جو شخص آگ کا انگارا چاہے وہ اسکو اپنے ہاتھ میں لے اور حریر کے متعلق فرمایا۔ من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه يوم القيمة یعنی جس نے دنیا میں حریر پہنا تو وہ قیامت کے دن اسکو نہ پہنے گا۔ یہ تو پہننے سے متعلق تھا باقی اور طرق استعمال میں مرد اور عورت اور چاندی سونا سب برابر ہیں چنانچہ سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینا آپ نے فرمایا۔ لا تشربو افي انية الذهب

والفضة ولا تاکلوافی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الا خرة ۔ترجمہ۔ سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ انکی رکابی میں کھاؤ کیونکہ ان کیلئے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (۲) عورتوں کے لباس و تشبیہ سے مردوں کو متمیز کرنا ضروری تھا لہٰذا سونا و چاندی و ریشم پہننا بالعموم عورتوں کیلئے مخصوص ہوا اور باستثناء انگشتری سیم مردوں کیلئے حرام ہوا اسی امر کی طرف حضرت ابن قیم ارشاد فرماتے ہیں۔

بتحریم الذهب والحریر علی الرجال حرم الله ذریعته التشبیة بالنساء الملعون فاعله

یعنی سونا اور ریشم کو مردوں پر حرام کر دینے سے معلوم ہوا مشابہت کرنے کے ذریعہ کو حرام فرما دیا ہے جس کے فاعل پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ (۳) خدا کو نہایت عیش پسندی ناپسند ہے حریر کا لباس پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین میں گرا دیتے ہیں یعنی نہایت پستی میں اور فکروں کو تاریک خیالات کی طرف دیتے ہیں غرض یہ تو معلوم ہوا کہ نہایت درجہ کی عیش پسندی خراب امر ہے لیکن وہ کوئی باقاعدہ منضبط امر نہیں جسکے مواقع ظاہری نشانوں سے ایسے متمیز ہوں جنکی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سے باز پرس کر سکیں چنانچہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوتی ہے اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اس وجہ سے شرع نے جب عیش پسندی کی خوبیاں بیان کیں تو ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کیلئے منتفع ہوا کرتے ہیں اور ان سے لوگوں میں عیش حاصل کرنے کی عادت شائع ہو گئی ہے اور شرع نے عجمی اور رومی لوگوں کو ان اشیاء پر متفق پایا تھا اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان خاص امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں انکی عادت ہے ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا اس لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن محرم ابواب سے شمار کئے گئے اور ان پر وعید بھی ارشاد فرمائی گئی

چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ لا تاکلوافی انیة الذهب والفضة ولا تشربوافی صحافها فانها فی الدنیا ولکم فی الاخرة اور فرمایاالذی یشرب فی انیة ذهب والفضه انما یجر جو فی بطنه نارجهنم. ترجمہ نہ کھاؤ سونے اور چاندی کے برتنوں میں اور نہ پیو چاندی سونے کے پیالوں میں کیونکہ یہ برتن مخالفین اسلام کیلئے دنیا میں ہیں اور تم کو آخرت میں ملیں گے جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پیتا ہے اسکے پیٹ میں دوزخ کی آگ جنبش کریگی اور یہ حرکت کھانے پینے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ساری قجوہ نفع کو شامل ہے لہذا حلال نہیں ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کے ساتھ غسل یاوضو کرے یاان سے تیل ملے یا سرمہ دانی بنائے۔ اور اسی تقریر سے غیر اہل اسلام کیساتھ لباس وغیرہ تشبہ کرنے کی ممانعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ مقصود تبعید ہے انکے اوضاع واطوار سے اسکی بہت صاف نظیر مردوں کا زنانہ لباس پہننے سے طبعاً منقیض ہونا ہے۔

تصویر رکھنے کی ممانعت کی وجہ :اس میں بت پرستی کادروازہ مفتوح ہوتا ہے (حجتہ اللہ) یعنی جب اسکی عام عادت ہو جاوے گی اور عام میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ادھر دیکھنے والے مختلف فہم کے ہوتے ہیں توضرور کسی نہ کسی وقت اس میں مفسدہ پیدا ہوگا جیسا پہلے ہو چکا کہ خاص بنانے والوں نے پرستش نہیں کی محض بزرگوں کی یادگار بنائی تھی پھر آخر اسکی نوبت پہنچی اس وقت دیکھ لیجئے کہ باوجود علوم قدیمہ وعلوم جدیدہ کی روشنی پھیلنے کے ایک بڑے معززبیرسٹر صاحب کی حکایت سنی ہے کہ صبح اٹھ کر اپنے پیر کی تصویر کو نہایت ادب وتعظیم سے تسلیم بجالا کر پھر کوئی اور کام کرتے ہیں جب انگریزی خوانوں کے ایک اعلیٰ طبقہ میں ایسے افراد موجود ہیں تو بالکل عام آدمی پر کیا اعتماد رہا اس لئے تصویر رکھنے کو عقلاً بھی ضرور حرام کہنا چاہیے۔

کتاب الفرائض

جائیداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونے کی وجہ :بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی فرض نصیباً من المیراث لکل احد من الرجال والنساء لیصون الناس من الاعتداء علی حقوق الاقرباء والصلوٰة والسلام علی رسوله خاتم الانبیاء وعلی الذین اتبعوا الهدی وطریق الاستواء.

اما بعد. واضح ہو کہ (۱) اسلام نے میت کی جائداد میں حقداروں کے حصے اسلئے معین و مقرر کئے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں اگر میت کے اقرباء اور والیوں میں سے کل جائداد کا ایک ہی شخص کو اختیار کلی دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑا دیتے ہیں اور اپنے فوائد واغراض وعیش کے سوائے دوسرے حقداروں کی غور پرداخت اور انکے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور جائداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتی کہ سارے ترکہ کو اپنے عیش وعشرت میں خورد وبرد کر دیتے ہیں۔ لہذا خدا تعالیٰ نے ان ظالمانہ کاروائیوں کو روکنے اور انکے انسداد کیلئے جائداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرمادیئے تاکہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض میں خورد وبرد نہ کر سکے بلکہ حصوں کے مطابق جائداد سب اہل حقوق لیکر اپنے اپنے حصہ سے آزادی کے ساتھ منتفع ہوں اور اسی کے قریب قریب اس رسم میں خرابی ہے جو بعض جگہ جاری ہے کہ ولد اکبر مالک باقی دوسرے اہل حق گزارہ خوار۔ چنانچہ ان لوگوں کے ظالمانہ تصرفات کارات دن مشاہدہ ہو رہا ہے جس کا کچھ علاج ایسا نہیں جو سہولت سے ہر گزارہ خوار اس کا استعمال کر سکے۔ چنانچہ میراث کے حصے مقرر ہونے کی فلاسفی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اقربائے میت کے حقوق ضائع ہو کر خورد وبرد نہ ہو جائیں۔ **للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مماقل منه اوکثر نصیباً مفروضاً الی قوله تعالیٰ الذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً انما یا کلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا یو صیکم الله فی اولادکم للذکرمثل حظ الانثیین. الاٰ یۃ** (پ۴ سورہ نساء) اس جگہ یتامی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اور

بڑے بیٹے یا میت کے دوسرے اقربا سارے مال کو خورد برد کر دیتے ہیں لہذا ایسا کرنے میں سخت وعید وارد ہوئی پھر حصص کی تفصیل کیلئے مذکورہ بالا آیات کے آگے یوصیکم اللہ کی عبارت شروع ہوتی ہے جس کا مفصل ذکر آگے آوے گا تو مصلحت اہل جائداد کی تھی۔ باقی خود جائداد کی بھی اس میں مصلحت ہے وہ یہ کہ کسی بڑی سے بڑی' جائداد میں بھی متعدد حصہ داروں کے حقوق اور حصے معین و مشخص ہونا اسکے لئے حفاظت واستحکام کا موجب ہے کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے معین حقوق کی وجہ سے اس مشترکہ جائداد کی بہتری و بہبودی کے سعی کرے گا پس جس جائداد کے حقدار زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کیلئے استحکام کا سبب ہے یہ تو مشترک رہنے کی صورت میں ہے اور اگر تقسیم کر لیں تو ہر شخص کے اصل مالک اور دوسروں کے گذار خوار ہونے کے ایسا اہتمام ممکن نہ تھا کیونکہ ایسے امر میں کون سعی کرتا ہے جس سے زیادہ منتفع دوسرے لوگ ہوں یہ تو فی نفسہ خواص ہیں ہر شخص کے مالک مستقل ہونے کے باقی اگر کوئی اپنا حصہ بالکل اڑانے لگے اور اس مصلحت سے کوئی شخص قانون میراث کو خلاف حکمت سمجھے اس اڑانے کا ذمہ دار اس شخص کی بد تدبیری و قلت تدبر ہے اس کا اگر اعتبار کیا جائے تو میراث ہی کی کیا تخصیص ہے جس شخص کو اپنے مکسوبہ اموال میں بھی ایسا کرتے دیکھو بس اس سے چھین کر اس سے بڑے بھائی کے حوالہ کر دو پھر یہ فطری امر ہے کہ اپنی چیز اپنے ہاتھ سے اڑانا اس قدر ایذادہ نہیں جتنا اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ میں ہونیکے وقت ان دوسروں کا دست نگر ہونا اور باقی اگر کسی کا ذوق ہی باطل ہو گیا ہو تو اس سے خطاب ہی نہیں۔

حقیقت تقسیم میراث : منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ اس کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اس کی جگہ اسکی عزت اور مرتبہ میں اور جو باتیں اس قسم کی ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اسکے بعد اسکا کوئی قائم مقام رہے۔ دوسرا خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قسم کی ہیں تیسرا قرابت جو ان

دونوں باتوں پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اس تیسری بات کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں مگر وضع طبعی کے اعتبار سے کہ جس پر قرنا بعد قرن عالم کی بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے حتی کہ اگر کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیدیا جائے تو یقیناً اسکے دل پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی اس واسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور پھر قائم مقام ہونے کا احتمال بھائی میں ہے اور پھر جو اس کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم اور اس کے نسب کے ہیں باقی رہی خدمت اور شفقت تو اس کا اول مظنہ قرابت قریبہ والی عورت ہے اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس امر میں اس کی مستحق ہیں اور جو ان کے مانند نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کے قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ کہ یہ بھی قائم مقامی سے خالی نہیں پھر جس عورت سے علاقہ زوجیت کا ہے وہ خادم ہوتی ہے پھر ماں شریک بھائی بہن ان عورتوں میں بناء میراث صرف خدمت و شفقت یا مع القرابت ہے باقی عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں البتہ بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی پائے جاتے ہیں لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس امر کا مظنہ اول بہت قریب کی قرابت جیسے ماں اور بیٹی پھر بہن اور امر اول یعنی میت کی قائم مقامی کامل طور پر تو باپ اور بیٹے میں پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی پھر چچا میں اور امر ثانی یعنی شفقت سب سے زیادہ باپ میں اور بیٹے میں پایا جاتا ہے پھر عینی اور خیائی بھائی میں پایا جاتا ہے اور اس کا یہ مظنہ قرابت قریبہ ہے اس وجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے وہی پھوپھی کیلئے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے

وقت کام نہیں آسکتی جس طرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں بھی ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے اور منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ جب مرد و عورت ایک ہی درجہ کے ہوں تو مرد کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لئے مرد ہی مخصوص ہیں اور اسکی یہ وجہ بھی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں پس زیادہ تر یہی مستحق ہیں کہ انکو وہ مال دیا جاوے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں کے ذمہ ہوتی ہیں اور منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ترکہ کی تقسیم ان سب پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجہ مختلف ہیں تو اسکی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام اور ایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر بعید کو میراث سے محروم کر دیتا ہے دوسری صورت یہ کہ ان کے اسماء و جہات مختلف ہوں کہ اقرب حاجب ہوگا ابعد کا حاجب ہو کر ابعد کو محروم تو نہیں کرتا لیکن حصہ اس کا کم کر دیتا ہے منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ سہام کہ جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء ایسے ظاہر ہونا چاہئیں کہ محاسب و غیر محاسب سب اول وہلہ میں ان کی تمیز کر سکیں اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول مبارک میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے انا امة امية لا نكتب ولا نحسب . یعنی ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو اس کے حساب کرنے میں تعمق و غور کی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی و بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے لہذا شروع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ہیں ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس اور دوسرے نصف ربع ثمن کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی دو اول کے عدد یعنی دو اور تین اور ان دونوں میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں کہ ان تینوں میں اوپر کو جاتے ہوئے تو نسبت ضعف کی ہے یعنی دوگنے کی نسبت اور نیچے اترتے ہوئے نسبت نصف کی ہے اور اس میں کمی بیشی کا بالکل ظاہر و محسوس ہونا بالکل اقرب ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونے کی وجہ : خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔یوصیکم اللہ فی اولا دکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترل وان کانت واحدۃفلھاالنصف ترجمہ۔ یعنی سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں (میراث بانٹنا) کہ مرد کے لئے برابر دو عورتوں کے حصہ ہے پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لئے نصف ہے مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔الرجال وقوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا. ترجمہ : یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی وفضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے مال خرچ کئے ہیں اپنی عورتوں کی حاجتوں میں۔

اکیلی بیٹی کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ : اکیلی بیٹی کیلئے نصف ترکہ مقرر ہوا کیونکہ جب اکیلا بیٹا ہوتا تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس بمقتضائے تضعیف ابن جو کہ للذکر مثل حظ الانثیین سے مفہوم ہے اکیلی بیٹی نصف میراث کی مستحق ہے

دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کیوجہ : دو کو دو ثلث اس لئے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہوتا تو اس بیٹی کو ثلث ملتا اس لئے دوسری لڑکی کے ہونے سے بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہیے یہی تقریر دوسری بیٹی کے حق میں جاری ہے اور چونکہ بنات کا ثلثین سے زیادہ ہے ہی نہیں اگر زیادہ بھی ہونگی اسی ثلثین میں سب شریک ہوں گی۔

میت کی اولاد ہو تو اسکے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ مقرر ہونے کیوجہ : خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا بویہ لکل واحد منھما الدس مما ترك ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد ورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ. فلامہ السدس

ترجمہ۔ یعنی میت کے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اس مال میں سے جو میت چھوڑ کر مرے بشرطیکہ اس میت کے اولاد ہو پس اگر میت کے اولاد نہیں ہے اور والدین وارث ہوں تو میت کی والدہ کا تیسرا حصہ میراث میں ہے اور اگر میت کے بھائی موجود نہیں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

یہ بات تم کو واضح ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد میراث کی زیادہ تر مستحق ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ان کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے تاکہ زیادت استحقاق ظاہر ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے زیادہ اسلئے نہیں مقرر کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اسکی معاونت کے اعتبار سے باپ کی فضیلت عصبہ ہونے کی ایک مرتبہ اعتبار کی جا چکی ہے تو اسی فضیلت کا دوبارہ حق تضعیف میں اعتبار نہ ہوگا۔

میت کے اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ : جس صورت میں میت کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ تر کوئی حقدار نہیں ہے لہذا سب ترکہ والدین کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی اور اس مسئلہ میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف نہیں فضیلت عقوبت ہے۔

میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ : اگر ماں اور بھائی بہن وارث ہوں اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ اخوت والے عصبہ نہیں ہیں اور دور جاکر عصبات موجودہ میں تو چونکہ عصبیت اور شفقت و محبت باہم برابر نہیں اسلئے نصف انکو اور نصف انکو ملے گا اور پھر وہ نصف جو شفقت کا حصہ ہے ماں پر اور اسکی اولاد پر تقسیم ہوگا اور چونکہ ماں کا چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ہوتا اسلئے اتنا تو ماں کو دیں گے اور باقی ان اولاد کو جو کہ میت کے بھائی ہیں دلایا جائے گا اور اگر یہ اخوت والے عصبات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ و حمایت دونوں جمع ہو گئیں اور بسا اوقات انکے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں

مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پھر اگر ماں کو چھٹے حصے سے زائد دیدیں تو اوروں پر تنگی ہو گی۔

ترکہ زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف اور بشرط اولاد چوتھائی حصہ ملنے کی وجہ اور ترکہ خاوند سے زوجہ کو چوتھائی حصہ اور بشرط اولاد اٹھواں حصہ ملنے کی وجہ

: خداتعالیٰ فرماتا ہے ولکم نصف ماترك ازواجكم ان لم يكن لهن ولد فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها اودين. ترجمہ یعنی تم کو تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا انکی وصیت وادائے قرض کے بعد۔ اور خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولدفان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها اودين. ترجمہ یعنی تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ ہے پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا بعد اس وصیت کے جو تم نے کی ہے اور بعد ادائے قرض کے خاوند کو ترکہ اس لئے ملتا ہے کہ اسکو بیوی اور اسکے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال کو اسکے قبضہ سے نکالنے میں اسکی ضرر رسانی ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت اور ہمدردی اور محبت کا صلہ سے لیتی ہے لہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے۔

چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ الرجال قوامون على النساء یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ انکے باہم توراث میں سے اولاد پر بھی تنگی نہ ہو اس لئے یہ حصص مناسب و متفاوت مقرر کئے گئے۔

(تنبیہ) ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس حصہ کی وہ مالک ہوتی ہے ورثہ اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ ازروئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے۔ ایسے ہی سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ لوگ جو بیوہ اور مطلقہ سے بطور ملک دیا ہوا زیور واپس لے لیتے ہیں

حالانکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا یحل لکم ان تاخذ واممما اتیتموھن. ترجمہ یعنی تم کو حلال نہیں ہے کہ مطلقہ بیوہ عورتوں سے دیا ہوا کچھ مال واپس لو الا بشرط خلع اسمیں عورت مال ہی دیکر فارغ خطی خاوند سے حاصل کرتی ہے۔

لاولد میت کے وارثوں کو کم وبیش حصے ملنے کی وجوہ : اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان کان رجل یورث کلالة اوامراة وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس وان کانو ااکثرمن ذالك فهم شرکاء فی الثلث. ترجمہ یعنی اگر وہ شخص جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو یعنی اسکے اولاد اور باپ نہ ہو اور اسکے بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ زیادہ ہوں تو سب ثلث میں شریک ہوں گے اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرء هلك لیس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك وهریرثها ان لم یکن لها ولد فان کانت اثنتین فلهما الثلثان مماترك وان کانوااخوة رجالا والنساء فلذکر مثل حظ الانثیین. ترجمہ یعنی تجھ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں لاولد میت کے ترکہ کے متعلق تو کہ دے کہ خداتعالیٰ تم کو لاولد میت کے ترکہ کے متعلق یہ فتوی دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور اسکی بہن ہو تو اس کی ایک بہن کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ مرد اس بہن کا وارث ہو گا اگر اسکے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اور اگر میت کے بھائی اور بہن مخلوط ہوں تو مرد کو عورت سے دوچند ملے گا۔ یہ آیت بالا جماع باپ شریک کی اولاد میں ہے اور کلالہ کے تقسیم حصص کی حقیقت بھائی اور بہن کے حصوں کی فلاسفی میں ظاہر کی گئی ہے اس سرخی میں میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں گے۔

میت کے چچا اور اسکی اولاد کے مستحق وراثت ہونے اور اسکی خالہ کے میراث سے محروم ہونے کی وجہ : میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اسکی

خالہ جو کہ اسکی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اسکے میراث میت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ چچا کی اولاد میں میت کی پشتی وطرفداری وحمایت وامداد وموالات زندگی میں زیادہ ہوتی ہے اور والدہ کے رشتہ دار اجنبیوں کی طرح ہیں وہ تو اپنے باپوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لہذا وہ بمنزلہ بیٹیوں کے اقرباء کے ہوتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر پر اعتراضات اور حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ان پر فلسفیانہ جوابات

: حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مندرجہ ذیل اعتراضات عذاب وثواب قبر کے متعلق پیش کئے گئے کہ ملحد وزندیق منکران عذاب وثواب قبر کو ہم کیا جواب دیں جو کہتے ہیں کہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا یا بہشت کے باغوں میں سے باغ کیونکر ہو سکتی اور کیونکر کشادہ اور تنگ ہو سکتی ہے جب کہ میت نہ اس میں بیٹھ سکتی ہے اور نہ کھڑی ہو سکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قبر کھودتے ہیں تو اس میں نہ تو اندھے اور گنگے فرشتے دیکھتے ہیں جو مردوں کو لوہے کے گرزوں اور ہتوڑوں سے مارتے ہوں اور نہ وہاں سانپ اور اژدھے دیکھتے ہیں اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ ہم محسوس کرتے ہیں اور اگر میت کے احوال میں سے کوئی حال قبر کھود کر معلوم کریں تو ہم میت کو اسی ایک حالت غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور ہم اگر اس کی آنکھ پر سیماب اور اس کے سینے پر رائی کا دانا رکھیں تو ہم اس کو اسی ایک ہی حالت غیر متغیر پر پاتے ہیں اور مردہ پر تاحد نظر قبر کس طرح فراخ یا تنگ ہو سکتی ہے حالانکہ ہم اس کو اسی ایک حالت پر دیکھتے ہیں اور قبر کی کشادگی کو اسی حد پر پاتے ہیں جس حد پر کہ ہم نے اس کو کھودا تھا نہ زیادہ ہوتی ہے اور نہ تنگ ہوتی ہے اور قبر کی لحد میں تنگی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے اور فرشتے اور وہ صورت جو مردہ کے ساتھ انس پکڑیں یا اس کو ڈراویں قبر میں کسطرح سما سکتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بات جو عقل ومشاہدہ کے برخلاف ہو وہ کہنے والے کی قطعی خطا ہے وہ کہتے ہیں مصلوب یعنی جس کو پھانسی دی گئی ہو کو ہم مدت دراز سے لکڑی پر آویزاں دیکھتے ہیں وہاں پر نہ اس سے منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے

نہ وہ حرکت کرتا ہے اور نہ اس کے جسم پر آگ دہکتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو اور پرندوں نے نوچ لیا ہو اور اس کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں اور سانپوں کے شکموں اور ہواؤں کے طبقوں میں الگ الگ ہو جاتے ہیں اس کے ٹکڑوں سے باوجود الگ الگ ہونے کے کسطرح سوال وجواب ہونا ممکن ہو سکتا ہے اور جس کے جسم کے ٹکڑوں کی یہ حالت ہو جائے اس کے ساتھ دو فرشتوں منکر و نکیر کا سوال وجواب کرنا کس طرح ممکن ہے اور ایسے شخص پر قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا کس طرح ہونا ممکن ہے اور کس طرح قبر اس پر تنگ ہو سکتی ہے یہاں تک کہ مردہ کی پسلیاں قبر کے ملنے سے ادھر کی ادھر ہو جاویں۔

جوابات :واضح ہو کہ ہم پہلے چند باتیں بطور تمہید ذکر کرتے ہیں جن سے جوابات واضح ہو جائیں گے۔(۱)رسولوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جسکو عقلیں محال جانیں اور وہ اس کے محال ہونے پر قطعی حکم دے سکیں بلکہ رسولوں کی خبر دینا دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جس پر عقل اور فطرت گواہی دے دوسرے وہ جن کو محض عقلیں دریافت نہ کر سکیں مثلاً غیب کی باتیں جو رسولوں نے عالم برزخ اور قیامت اور عذاب کے متعلق مفصل بیان فرمائی ہیں اور باقی ہر حال میں رسولوں کی خبریں ازروئے عقول سلیمہ محال نہیں ہوتی ہیں (اور اگر وہ ظاہر اعقلاً محال ہو اور سند صحیح سے نسبت بھی اس کی ثابت ہو تو اس موقع پر دوسرے قواعد شرعیہ کے موافق تاویل واجب ہو گی) پس قبر کے واقعات دوسری قسم کی خبر ہے جو عقلاً تو محال نہیں مگر وہاں تک عقل کی خود رسائی نہیں وہ وحی کی محتاج ہے۔باقی جو شخص اس کو محال سمجھتا ہے وہ محض اس شخص کا ایک خیال اور وہم ہے جس کو صاف خیال اپنے فہم غلط میں معقول صریح جانتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد کو بدون افراط و تفریط کے سمجھا جاوے اور آپ کے کلام سے وہ مراد نہ سمجھی جاوے جس کا آپ نے ارادہ نہ کیا ہو جو شخص آپ کی مراد و مطلوب سے اور طرف پھر

گیااور اسکے اقراروا قعی معنی سمجھنے میں ،غفلت اور کوتاہی کی تووہ سیدھی راہ سے بھٹک جاوے گااور خدااور رسول کے کلام میں لوگوں کی غلط فہمیاں واقع ہونے سے اسلام میں بہت سے گمراہ اور بدعتی فرقے پیدا ہو گئے ہیں مثلاً قدریہ۔ ملحد۔ خارجی۔ معتزلہ۔ جہمیہ۔ رافضی وغیرہ یہاں تک کہ دین اسلام اکثر ایسے ہی لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اسکی طرف بہت کم التفات کرتے ہیں امر تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کیلئے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ۔ دار قرار اور ہر ایک مقام کیلئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندامو ں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح ظاہر وغالب ہو گی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اسکا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے (جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری قسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جنکو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم کے ہیں پس انکا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں۔ الاماشاء اللہ) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت ولطف واحسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر وباہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اسکی روح پر جاری ہوتا ہے اور اسمیں بدن اسکے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کیلئے دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا

ہے وہ اسکی روح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اسکے تابع ہوتا ہے۔ ایسا ہی علم برزخ میں بھی جسم اور روح کے لئے دکھ اور سکھ کا طریق جاری ہے بلکہ اس خواب سے بھی بڑھ کر ہوگا کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا بہت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔

اب رہا تیسرا مقام یعنی آخرت سو جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس دن سکھ اور دکھ کا حکم روح اور جسم دونوں پر غالب اور ظاہر و باہر ہوگا مذکورہ بالا مضامین سے تم پر ہویدا ہوا ہوگا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے عذاب قبر اور اس سکھ اور دکھ ثواب اور عذاب اور تنگی اور کشادگی دوزخ کے گڑھا ہونے یا بہشت کے باغ ہونے کی خبر دی ہے وہ مطابق عقل کے ہے مناقض نہیں اور اسمیں کچھ شک وشبہہ نہیں کہ اگر کسی پر یہ بات سمجھنی مشکل ہو تو اسکی غلط فہمی اور اسکی قلت علم کا باعث ہے۔

انسان کو قبر میں عذاب وثواب ملنے کا نمونہ :اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سوئے ہیں اور ایک کی روح کو سکھ و چین ہوگا اور جب جاگے تو سکھ وراحت و آرام کے آثار اس کے بدن پر ظاہر ہوں گے اور ایک کی روح کو دکھ ہوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو دکھ و عذاب کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کے حال سے اطلاع نہیں ہوتی اسی پر عالم برزخ کے عذاب وثواب کا استدلال کرلو اور دلائل سے یہی ثابت ہے کہ اسلامی اصول کی رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کیلئے ایک جسم ملتا ہے اور وہ جسم اس جسم کی قسم سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے باریک تاریکی سے جیسی اعمال کی صورت ہو وہ جسم تیار ہوتا ہے گو اس عالم برزخ میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں اور اگرچہ یہ راز ایک

دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں ہے انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پاتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں ہیں جنکو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ملاوہ اس قسم کے جسم کو جو کہ اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھتے غرض یہ جسم جو کہ اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک وبد کی جزا کا محل ہو جاتا ہے اصحاب مکاشفہ کو عین بیداری میں مردوں سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے بہر حال مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک نیا جسم ملتا ہے خواہ نورانی ہو خواہ ظلمانی لیکن خدا تعالیٰ نے ان امور آخرت کو بواسطہ عقل مکلفوں کے دریافت کرنے اور پانے سے در پردہ اور پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی کمال حکمت پر دال ہے تاکہ مومن ایمان بالغیب کے ساتھ منکرین سے متمیز ہو جائیں۔ چنانچہ فرشتے قریب الموت آدمی پر اترتے ہیں اور اسکے نزدیک آکر بیٹھے ہیں اور وہ انکو دیکھتا ہے اور اس کے پاس اس کیلئے کفن اور خوشبو بہشت میں سے یا بدبو دوزخ میں سے ہوتی ہے اور وہ حاضرین کے سلام اور دعاء پر آمین کہتے ہیں اور بسا اوقات بعض قریب الموت آدمی کہتے ہیں خوش آمدید اور مردہ کے سوا حاضرین میں سے ان فرشتوں کو کوئی بھی نہیں دیکھتا اس بارہ میں آثار وبے شمار ہیں۔

امور آخرت میں سے یہ پہلا امر ہے جو اس دنیا میں ہمارے درمیان واقع ہوتا ہے اور باوجود اس دنیا میں واقع ہونے کے ہم کو دکھائی نہیں دیتا حالانکہ یہ سب کچھ اسی دنیا میں واقع ہوتا ہے پھر فرشتہ روح کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو قبض کر لیتا ہے اور روح سے بات چیت کرتا ہے اور حاضرین نہ فرشتے کو دیکھتے ہیں نہ اس کی آواز سنتے ہیں پھر روح نکلتی ہے اور اسکا نور آفتاب کی شعاعوں کیطرح اور اسکی خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں پھر وہ فرشتہ روح کو لیکر ملائکہ کے گروہ میں جا ملتا ہے اور حاضرین یعنی آدمی اسکو دیکھ نہیں سکتے پھر روح ایک خاص اعتبار سے واپس آکر مردہ کا نہلانا اور اسکا اٹھانا دیکھتی ہے اور کہتی ہے مجھے آگے لے چلو یا کہتی ہے مجھے کہاں لئے جاتے ہو مجھے کہاں لئے جاتے ہو اور لوگ اسکی کوئی بات بھی نہیں سن سکتے۔

لحد قبر میں مردہ کے پاس فرشتہ پہنچنے کی صورت : اسی طرح جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اسکی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی بلکہ اگر پتھر بھی کندہ کیا جائے اور مردہ کو اس میں رکھ کر اس پتھر کو قلعی سے سر بمہر کر دیا جائے تو بھی مردہ کے پاس فرشتے کے پہنچنے سے یہ امر مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ اجسام کثیفہ ارواح لطیفہ کے فرق کو مانع نہیں ہوتے بلکہ ان اجسام کثیفہ سے تو جن بھی گذر جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے پتھر اور مٹی کو فرشتوں کیلئے ایسا کیا ہے جیسا فضاء پرندوں کیلئے جس میں وہ اڑتے پھرتے ہیں اور قبر کی فراخی و کشادگی بالذات روح کیلئے ہوتی ہے اور بدن کو روح کی متابعت میں کشادگی ملجاتی ہے ورنہ جسم تو بہت تھوڑی جگہ میں سمایا ہوتا ہے۔

ضغطۃ القبر : اسی طرح قبر کا مردہ کو گھٹنا حق ہے مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں اور اس بات کو عقل رد نہیں کر سکتی باقی یہ بات کہ اگر کوئی شخص مردہ کی قبر کھود کر اسکو دیکھے تو اس کی پسلیاں اسی پہلی حالت پر ہوتی ہیں ادھر کی ادھر دکھائی نہیں دیتیں سو خدا قادر مطلق کو کوئی بات اس سے روک نہیں سکتی کہ یہ سب روحانی طور پر واقع ہوتا ہو اور ان حواس سے محسوس نہ ہو۔

قبر کے فرشتوں اور آتش جہنم و نعمائے جنت کے نہ دکھائی دینے کی وجہ :

قبر کی آگ اور سبزی نہ دنیا کی آگ کی قسم میں سے ہوتی ہے اور نہ دنیا کی کھیتی و سبزہ کے مانند ہے جو دیکھ کر معلوم ہو سکے وہ آخرت کی آگ اور آخرت کی سبزی کی قسم سے ہوتی ہے اور اس کو اہل دنیا معلوم نہیں کر سکتے اور یہ امر اسلئے ہوا کہ پردہ بالغیب کی حکمت قائم رہے پس اس بنا پر ممکن ہے کہ دو شخصوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو دفن کیا جاوے اور انکے اعمال متفرق ہوں تو ان میں سے ایک دوزخ کے گڑھے میں جلتا ہو اور اسکے پاس والے پر حرارت دوزخ کی نہ پہنچ سکتی ہو بلکہ یہ دوسرا بہشت کے باغ میں ہوتا ہو اور اسکے پاس والے دوزخی کو اسکے آرام و چین سے حصہ نہ پہنچ

سکتا ہو یہ بات بھی طلسمات الٰہی میں سے ہے اور خدا تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے کیونکہ جب اس نے انسان کو ایسے ایسے ہنر سکھائے ہیں کہ وہ اپنی ایک چیز میدان میں رکھ کر اس پر بعض کو اطلاع دیتا اور دکھاتا ہے بعض کی اس سے چشم بندی کر دیتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جو خالق الکل ہے اور قادر مطلق ہے اسکے آگے ایسے امور کس طرح نا ممکن و معتبر ہو سکتے ہیں اور یہ ایمان بالغیب کی حکمت چونکہ بہائم اور مویشیوں کے حق میں نہیں ہے لہذا وہ مردہ کی پکار فریاد سنتے ہیں اور محسوس و معلوم کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

پس عالم برزخ کا قیاس دنیا کے امور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا ٹھہرانا ہے اور یہ پرلے درجے کی جہالت و گمراہی و ظلم ہے کیونکہ وہ قادر ہے کہ جس بات کو جس پر چاہے کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے اور حالانکہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی اور نورانی اور روشن ہو اور لوگ اسکو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔

عالم برزخ کے بعد ایک دوسرا عالم حشر برپا ہونیکی وجہ : انسان کے مرنے کے وقت عالم برزخ میں جزاء و سزا شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی برزخی دوزخ میں اور بہشتی برزخی بہشت میں جاتے ہیں مگر اسکے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے کہ خدا تعالیٰ کی بڑی حکمت نے اس دن کو ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کرے گا تاکہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے پھر اس روز حسی جنت اور حسی دوزخ میں قرار ہوگا۔

پس موت جائے بازگشت اور جائے بعثت اول ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے

آدم کیلئے دو بعثتیں ٹھہرائی ہیں اور ان دونوں میں نبی آدم کو نیکی بدی کا بدلہ دیا جائے گا پہلی بعثت

میں تو روح اور جسم کی جدائی ہے اور اسکو پہلے دار الجزا یعنی برزخ کی طرف چلایا جاتا ہے۔
اور دوسری بعثت وہ ہے جس میں خدا تعالیٰ روح کو جسم سے ملائے گا اور قبروں سے اٹھا کر بہشت یا دوزخ کی طرف چلاوے گا خدا تعالیٰ نے ان دونوں قیامتوں کا ذکر قرآن کریم میں مشرح بیان فرمایا ہے جن میں ایک بڑی دوسری چھوٹی قیامت ہے اور وہ ذکر سورہ مومن وغیرہ سورتوں میں آیا ہے چنانچہ یہ آیت اس میں مثل صریح کے ہے۔ **النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوٰ ال فرعون اشد العذاب.**

جواب اس سوال کا کہ قبر کے سوال وجواب محدود ہیں یا غیر محدود :

سوال۔ اگر قبر کے سوال من ربك وغیرہ محدود ہیں تو وہ خوب یاد کر لئے جاویں اور وہاں پاس ہو جاویں یا کہ غیر محدود ہیں۔

جواب : ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک ایمانی کیفیت ہے جو دنیاوی امتحانوں کیطرح نہیں کہ آدمی مکائد و مکروہ وغیرہ سے پاس ہو سکے بلکہ وہاں جس رنگ سے دل رنگین ہو گا اسی کا اظہار ہو گا اور اسی کے موافق قبر میں رنج یا راحت کا سامان مہیا ہو گا۔

جواب اس سوال کا کہ فرشتگان قبر کے سوالات کس زبان میں ہوں گے :

ہمیں عربی فارسی اردو انگریزی سنسکرت سب زبانیں خدا نے بتائی ہیں پھر کیا خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کسی زبان سے قاصر رہ سکتا ہے وہ ہر زبان بول سکتا ہے۔

قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد : ارواح کا تعلق قبور سے بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اور اس کیلئے عقل اس کو دریافت نہ کر سکے ہم خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں وہ یہ کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے

اور بعض خواص آنکھ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حقائق کا پتہ صرف کان لگاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں کہ جس مشترک کے ذریعہ سے اسکا سراغ چلتا ہے اور کتنے ہی حقائق ہیں کہ وہ مرکز قوی یعنی دل سے معلوم ہوتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ نے حقائق معلوم کرنے کیلئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کانوں پر رکھیں تو وہ اسکا مزہ معلوم نہ کر سکیں گے اور نہ اسکے رنگ کو بتلا سکیں گے ایسا ہی اگر اسکو آنکھوں کے سامنے کریں گے تب بھی اسکے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیں گے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کیلئے مختلف قوی اور طاقتیں ہیں اب آنکھ سے اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرنا ہو اور وہ آنکھ کے سامنے پیش ہو اور ذائقہ کا اس سے ادراک نہ ہو تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ نہیں یا کوئی آواز نکلتی ہو مگر ہم کان بند کر کے زبان سے وہ کام لینا چاہیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے آجکل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے کسی حقیقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں روزمرہ کاموں میں دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جداگانہ خدمتیں مقرر ہیں سقہ پانی لاتا ہے دھوبی کپڑے دھوتا ہے غرضیکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم خود انسان کے نظام میں پاتے ہیں اس اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام ہیں انسان مختلف قوی لے کر آیا ہے اور مختلف خدمتیں جدا جدا قوت کے سپرد ہیں نادان فلسفی ہر ایک بات کا فیصلہ اپنی عقل خاص سے چاہتا ہے حالانکہ یہ طریقہ محض غلط ہے تاریخی امور تاریخ ہی سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدون تجربہ صحیح کے کیونکر لگ سکتا ہے امور قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی اس طرح متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں انسان دھوکہ میں مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے سے اسی وقت محروم رہ جاتا ہے جب کہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے ذرا اسی فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے اور روزمرہ ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں۔

پس جس طرح روح کے جسم سے مفارقت کرنے یا تعلق پکڑنے کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا

اور اگر ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء اس باب میں ضلالت میں مبتلا نہ ہوتے اسی طرح پر قبور کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے یہ ایک امر واقعی تو ہے مگر اسکا پتہ دینا اس آنکھ کا کام نہیں یہ کشفی آنکھ کا کام ہے اگر عقل محض سے اسکا پتہ لگانا چاہو تو کوئی عقل سے اس کا ہی پتہ لگالے کہ روح کا وجود بھی ہے یا نہیں ہزار ہا اختلاف اس مسئلہ پر موجود ہیں اور ہزار ہا فلاسفر دہر میں ایسے موجود ہیں جو اسی کے منکر ہیں اگر نری عقل کا یہ کام تھا تو اس میں اختلاف کا کیا سبب کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو ایک چیز کو دیکھتی ہے اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس چیز کو نہ دیکھے

پس جب نری عقل روح کا وجود بھی یقینی طور پر نہیں بتا سکتی تو اسکی کیفیت اور تعلقات کا علم تو کیا بتاوے گی۔ یہ تقاسیر روح کے وجود اور اسکے تعلق وغیرہ کی چشمہ نبوت سے لے کر کچھ لکھا ہے پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس چشم سے لینا چاہیے جسکو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور **السلام علیکم یا اھل القبور** کہنے سے جواب ملتا ہے۔ جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات سے دیکھ سکتا ہے ہم ایک اور بات کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور ایک مصری کی ڈلی رکھی۔ اب عقل محض ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی ہاں اگر انکو چکھیں گے تو دو جداگانہ مزوں سے معلوم ہو جائے کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے پس اگر کسی میں حس لسان ہے نہیں تو نمکین اور شیریں کا وہ فیصلہ کرے گا پس جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آسکتا اور ایک مسلوب العقل کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا اسی طرح پر اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق روح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے پس اس کے انکار سے محض اسلئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا اسکا انکار جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی باتوں کا پتہ عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا اللہ تعالیٰ نے اسی لئے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں اگر ایک ہی حاسہ سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ جن میں بعض قویٰ کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے بعض زبان کے متعلق ہیں اور بعض

ناک سے اسی طرح مختلف قسم کی حسیں انسان رکھتا ہے سو قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کیلئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد الکشف یعنی جس کو کشف نہ ہوتا ہو اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو غلط کہتا ہے۔ ابنیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہو گزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اسکے تعلقات کی کیفیت وجہ مخفی طور پر ہم معلوم کر سکیں یا نہ کر سکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کر سکے جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو انکا کیا قصور ہے وہ اور قوت کا کام ہے۔

غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کر سکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کیلئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے اس طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کو سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالاتر از فہم رہتا ہے۔ اسکی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیادار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا جس پر فلسفہ انبیاء کا قائم ہے لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بد ہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں عقلیں، دریافت نہیں کر سکتیں ہاں اہل کشف

صوفی واولیاء اللہ لوگ دیدہ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں اہل وطن بسااوقات کشف قبور کے ذریعہ سے مردوں کو قبروں میں معذب یا مثاب دیکھتے ہیں۔

حقیقت پل صراط آخرت : عالم آخرت میں ہر ایک سعید اور شقی کو متشکل کر کے دکھلایا جائے گا کہ وہ دنیا میں سلامتی کی راہوں میں چلایا اس نے ہلاکت اور جہنم کی راہیں اختیار کیں سو اس دن وہ سلامتی کی راہ جو کہ صراط مستقیم اور نہایت باریک راہ ہے اور جس سے تجاوز کرنا اور ادھر ادھر ہونا در حقیقت جہنم میں گرنا ہے تمثل کے طور پر نظر آئے گی اور جو لوگ دنیا میں صراط مستقیم پر چل نہیں سکتے وہ اس صراط پر بھی چل نہیں سکیں گے کیونکہ وہ صراط در حقیقت دنیا کی روحانی صراط کا ہی ایک نمونہ ہے اور جیسا کہ ابھی روحانی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے صراط کے دائیں بائیں در حقیقت جہنم ہے اگر ہم صراط کو چھوڑ کر داہنے طرف ہوئے تب بھی جہنم میں گرے اور اگر بائیں طرف ہوئے تب بھی گرے اور اگر سیدھے صراط مستقیم پر چلے تب جہنم سے بچ گئے۔ یہی صورت جسمانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آئے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ در حقیقت ایک پل صراط ہے جو پل کی شکل پر دوزخ پر بچھایا گیا ہے جس کے داہنے بائیں دوزخ ہے تب ہم مامور کئے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں صراط پر چلتے رہے ہیں اور اپنے داہنے بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس صراط سے کوئی خوف نہیں اور نہ جہنم کی بھاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گزر جائیں گے۔ کیونکہ پہلے دنیا میں اس سے گزر چکے ہیں۔

صراط اخروی کی فلاسفی حضرت ابن عربی کے الفاظ میں : قداتی فی صفة الصراط انه ادق من الشعر واحد من الصیف وکذ االشعریعة فی الدنیا لا یعلم وجه الحق فی المسئلة عند الله ولا من هو المصیب من المجتهدین بعینه فحکها بالشرع احد من السیف وادق من الشعر فی الدنیا نا لشرع هنا هوالصراط المستقیم ولا

یزال فی کل رکعة من الصلوٰة یقول العبد اهدنا الصراط المستقیم نهوا حد من السیف وادق من الشعر فظهوره فی الاخرة محسوس بین واوضح من ظهوره فی الدنیا الالمن دعا الی الله علی بصیرة کالرسول واتباعه فالحقهم الله بدرجاته الانبیاء فی الدعاء الی الله علی بصیرة ای علی علم وکشف وقدور وفی خبران الصراط یظهر یوم القیامة لا بصار علی قدر نورالماربن علیه فیکون دقیقافی حق قوم وعریفانی حق اخرین یصدق هذا لخبر قوله تعالیٰ نورهم یسعیٰ بین ایدیهم وبایمانهم والسعی مشی وما طریق الاالصراط وانما قال بایمانهم لان المومن فی الاخرة لا شمال له کما ان اهل النار لا یمین لهم هذا بعض احوال ما یکون علی الصراط واما الکالیب والخطابف والخسك هی من صور اعمال بنی ادم تمسکهم علی الصراط فلا ینتهون الی الجنة ولا یقعون فی النار حتی تدرکهم الشفاعة والغایة الا لهیة فمن تجاوز هنا تجاوزالله عنه هناك امن انظر مسعر اانظره الله ومن عفو اعفا الله عنه استقصی حقه هنا من عباده استقصی الله حقه منه هناك ومن شدد علی هذه الامته شدادله علیه وانما هی اعمالکم ترد علیکم فاستلزمو امکارم الاخلاق فان عند العاملکم بما' عاملتم به عباده کان ماکان وکان ماکانوا. ترجمہ پل صراط اخروی کی صفت میں آیا ہے کہ وہ بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے اور ایسا ہی دنیا میں علم شریعت کا حال ہے کہ اکثر مسائل میں راہ راست جو عنداللہ مقبول وپسندیدہ ہو قطعاً معلوم نہیں ہوتا پس دنیا میں مسائل کا حکم شرع میں تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے۔ پس شریعت یہاں صراط مستقیم ہے اسی لئے بندہ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے۔ "اهدنا الصراط المستقیم" پس وہ تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے اور آخرت میں دنیا کی بہ نسبت اس کا ظاہر ہونا واضح تر ہوگا مگر جنہوں نے علی وجہ البصیرت خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کی مثل رسولوں اور انکے اتباع کے انکو خدا تعالیٰ انبیاء کے درجہ کے ساتھ ملحق کر دے گا اور احادیث میں آیا ہے صراط قیامت میں

گزرنے والوں کے نور کے موافق ظاہر ہوگا پس وہ ایک کے حق میں باریک ظاہر ہوگا اور دوسرے گروہ کے حق میں کشادہ اور اس خبر کی تصدیق خدا تعالیٰ کے اس کلام سے ہوتی ہے کہ مومنوں کا نور ان کے آگے اور داہنے طرف دوڑتا ہوا نظر آئے گا اور وہاں صراط کے بغیر کوئی راہ نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کے کلام میں جو آیا ہے کہ انکا نور داہنے طرف دوڑتا ہوگا یہ اسلئے ہے کہ آخرت میں مومن کا کوئی بایاں نہ ہوگا۔ جیسا کہ دوزخیوں کیلئے داہنا نہ ہوگا۔ یہ تو صراط اخروی کے بعض احوال ہیں مگر زنبور اور اچکنے والے اور گوکھرو کے کانٹے یہ تو ہی بنی آدم کے عملوں کی صورتیں ہوں گی جو انکو پل صراط پر بند کرلیں گی پس ابھی نہ بہشت میں جاویں گے اور نہ دوزخ میں گریں گے یہاں تک کہ انکو شفاعت اور عنایت الٰہی پہنچ جاوے گی پس جس نے یہاں پر درگذر کیا خدا تعالیٰ اسکو معاف کرے گا اور جو کوئی بندوں سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا تو خدا تعالیٰ وہاں اس سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا اور جو کوئی اس امت پر سختی کرے گا خدا تعالیٰ اس پر سختی کرے گا یہ صرف تمہارے اعمال ہیں جو تم پر وارد ہوں گے پس اچھے اخلاق کو لازم پکڑو کیونکہ خدا تعالیٰ کل تم سے وہی معاملہ کرے گا جو تم بندوں کے ساتھ کرو گے۔

حقیقت صراط مستقیم بموجب تحریر حضرت امالی غزالیؒ : امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے فرشتوں کی مشابہت پیدا کرے جن میں اوصاف متضادہ جیسے انسان میں ہیں نہیں ہیں اور انسان ان اوصاف سے علیحدہ ہو جانے کے مشابہ ہو گو کہ حقیقت میں علیحدہ ہو جانا نہ ہو اور وہ توسط ہے جیسے کہ سمویا ہوا پانی کہ نہ گرم ہے اور نہ سرد اور عود کا رنگ کہ سفید اور نہ سیاہ پس کنجوسی اور فضول خرچی انسان کی دو صفتیں ہیں اور سخاوت اس میں توسط کا درجہ رکھتی ہے جس میں نہ کنجوسی ہے اور نہ فضول خرچی۔

پس صراط مستقیم وہ توسط حقیقی ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور جو شخص کہ ان صفات متضادہ کے دونوں سروں سے نہایت درجہ دور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان دونوں سروں سے

پیچاپیچ میں ہوگا مثلاً ایک لوہے کے حلقہ کو آگ میں لال کر کے زمین پر رکھیں اور پھر اسکے اندر وسط میں ایک چیونٹی کو ڈال دیں تو وہ اسکی گرمی سے بھاگے گی اور جو جگہ سب سے دور ہوگی وہاں ٹھہرے گی پس بجز مرکز کے اسی کو اور کوئی جگہ نہ ملے گی اور وہی مرکز حقیقی ہے کیونکہ اسکو ہر طرف سے نہایت درجہ کا بعد ہے اور اس مرکز یا نقطہ کا مطلق عرض نہیں ہے پس صراط مستقیم وہی وسط ہے دونوں سروں سے اور اس وسط کا مطلق عرض نہیں ہے اسلئے وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے پھر جب خدا تعالیٰ قیامت میں اسی صراط مستقیم کو متمثل کردے گا تو جو کوئی اس دنیا میں صراط مستقیم پر ہوگا یعنی اس نے صفات متضادہ انسانی کے استعمال میں حتی المقدور توسط اختیار کیا ہوگا اور کسی جانب مائل نہ ہوا ہوگا وہ صراط آخرت پر بھی سیدھا چلا جاوے گا۔

حضرت ملا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت آخرت میں بہ شکل صراط مستقیم دوزخ پر متمثل ہو کر دکھائی دیگی پس جو شخص جادہ شریعت اسلام پر یہاں سیدھا چلا اور کجرو نہ ہوا اس کو وہاں بھی اس پر چلنا آسان ہوگا۔ اور جو یہاں ہی ٹیڑھا رہا اور اس صراط مستقیم پر نہ چلا اسکے لئے وہاں بھی چلنا دشوار ہوگا۔

حقیقت قیامت : حقیقت قیامت کا مضمون مولنا محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے مضمون کا انتخاب ہے جو یہاں درج کیا جاتا ہے واضح ہو کہ جو اشیاء مختلف الاغراض چیزوں سے مرکب ہوا کرتی ہیں جیسے کھیتی کہ اسکا غلہ آدمیوں کے لئے اور بھس گھانس جانوروں کیلئے ایسی چیزوں کو انجام کار توڑ پھوڑ کر جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیتے ہیں اور انکے مناسب انکو کام میں لاتے ہیں مثلاً کھیتی کو ایک روز کاٹ پھانٹ توڑ پھوڑ بھس اور غلہ کو جدا جدا کر کے بھس کو کوپوں میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور غلہ کو کوٹھیوں کھاتیوں برتنوں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس کو وقتاً فوقتاً جانوروں کو کھلاتے رہتے ہیں اور غلہ کو بقدر ضرورت آپ کھاتے رہتے ہیں پھر اپنے کھانے میں بھی یہ تفریق ہے کہ چھان پچھوڑ کر اچھے اچھے غلہ کو اپنے لئے رکھتے ہیں اور

ناقص کو خدام اور شاگرد پیشوں اور جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھا تو اس عالم اجسام کو بھی مختلف الاغراض اجزاء سے بنایا ہوا پایا چنانچہ اس کے ہر رکن اور ہر ہر طبقہ سے نمایاں ہے کہ یہ اور کام کا اور وہ اور کام کا اس میں اور کچھ خاصیت ہے اسمیں اور کچھ خاصیت ہے زمین میں اور ہی خوبیاں ہیں اور پانی میں اور ہی کچھ فائدے ہیں مومن اور کام کے کافر اور کام کے علماء اور احکام کے فقراء اور کام کے ذکی اور غبی میں فرق ہے سخی اور بخیل میں تفاوت مرد اور نامرد میں اختلاف مرد و عورت میں افتراق غرض جس چیز کو دیکھئے اسکا رنگ وبو کچھ اور ہی ہے۔ ؎

ہر گل را رنگ وبوئے دیگر است

اس میں بھی یہی ہونا چاہیے کہ ایک روز توڑ پھوڑ کر سب کو جدا جدا کر دیں یہاں تک کہ نیکیوں کو انکے ٹھکانے میں اور بدوں کو انکے جیلخانے میں پہنچا دیں سو اس اپنے موقع میں پہنچ جانے کا نام جزا و سزا یوم القیامت ہے۔

اور سننے مجموعہ عالم کو دیکھئے تو ایسے ہے جیسے آدمی یا کسی جانور کا جسم جیسے چشم و گوش و دست و پا وغیرہ اعضاء جدا جدا کام کے ہیں ایسے ہی اس مجموعہ عالم میں زمین و آسمان وغیرہ ارکان جدا جدا مصرف کے ہیں جیسے اس جسم خاکی میں عناصر اربعہ کی جدا جدا خاصیت ہے ایسے ہی اس عالم ناپائدار میں علویات اور سفلیات کی جدا جدا طبیعت اور خواہشات نفسانی کی جدا جدا تاثیر ہے جسم خاکی میں اگر کسی غلط کے غلبہ کے باعث مزاج اصلی میں تغیر آجاتا ہے تو اسکا نام مرض ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے اگر روح کو مفارقت جسم سے کرنی پڑے تو اس کا نام موت ہے۔

ایسے ہی اس عالم ناپائدار میں کسی رکن یا خواہش کے غلبہ کے باعث اگر ترکیب اصلی میں فرق آجائے اور کوئی کیفیت تازہ ظہور میں آئے تو اسکا نام علامت قیامت ہے اور اسکی وجہ سے اس روح اعظم کو جو بمقابلہ روح انسانی اس مجموعہ کیلئے ہونا چاہیے چنانچہ نظام عالم اور اسکے حسن انتظام سے ظاہر ہے اس مجموعہ سے اگر مفارقت کا اتفاق ہو جائے تو اسکا نام قیامت ہے مگر یہ ہے تو جیسے بعد مرگ تفرق اجزاء جسم انسانی وحیوانی ضرور ہے یہاں بھی بعد مفارقت مذکورہ تفرق اجزاء عالم

ضرور چاہیے سو جیسے بعد اجزاء جسم انسانی ہر جزو کے اپنے اپنے کرہ کے ساتھ اتصال لازم ہے ایسے ہی بعد تفرق اجزاء عالم ہر جزو کو اپنے اپنے طبقہ میں جانا لازم ہے سو نیکیوں کا طبقہ جنت میں جانا اور بدوں کا طبقہ دوزخ میں جانا وہی جزا و سزا ہے۔

اور سنئے باورچی سے کھانا پکواتے ہیں اور درزی سے کپڑا سلواتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تب کہیں اسکو مزدوری عنایت کرتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مزدوری اس کام کے عوض دیتے ہیں اگر وہ کام حسب دلخواہ دیکھا تو اس کو اس کی اجرت حوالہ کی ورنہ الٹا تاوان بربادی جامہ و جنس کا اس سے تقاضا کرتے ہیں مگر چونکہ یہ بات بعد ہی میں بن پڑتی ہے اس لئے مزدوری بھی بعد ہی میں ملتی ہے اور اگر وہ کام ایسا ہو کہ ایک آدمی نہیں کر سکتا اور ایک دن میں نہیں ہو سکتا تو بہت سے آدمی بہت سے دنوں میں اسکو پورا کرتے ہیں تو مزدوری کے وصول میں اور بھی دیر لگتی ہے بالخصوص جبکہ وہ کام ٹھیکہ پر کرایا جاوے یہ تو مزدوری کا حال تھا اور اگر انعام و سزا کا قصہ ہو تو پھر تاخیر میں کچھ حرج ہی نہیں کیونکہ حق غیر کا نہ دینا ظلم ہے اور حق میں غیر معاملات میں بیع اور اجارہ کی صورت میں اپنے ذمہ ثابت ہوتا ہے انعام اور سزا میں اپنے ذمہ کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جو تاخیر میں ظلم کا احتمال ہو باقی یہ بات خود عیاں ہے کہ جیسے ادائے حق غیر میں تاخیر بری ہے اپنی حق کے وصول میں تاخیر عمدہ ہے اسلئے اپنے حقوق کی سزا میں تو تاخیر بری ہو ہی نہیں سکتی۔ رہا انعام وہ کوئی حق واجب نہیں ہوتا جو اسکی تاخیر بری ہو ہاں حقوق العباد کے دلوانے میں شاید تاخیر بری معلوم ہو اسکا جواب یہ ہے کہ حکام دین جو کچھ خدا کی طرف سے عدل و انصاف کی تاکید ہے اس پر سب اہل مذہب اور تمام اہل حق شاہد ہیں دنیا میں جو کچھ وصول ہو سکے اسکے دلانے میں تو خدا کی طرف سے تعجیل ضروری ہو چکی۔ بایں ہمہ آخرت کا قصہ جدا رہا مگر چونکہ خدا بندوں کے حق میں فقط حاکم ہی نہیں والدین سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے تو اگر انکے وقت ضرورت کیلئے انکے حقوق کو رہنے دے تو اس وقت لیکر انکے حوالے کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ قبل وقت ضرورت اسکو کھو بیٹھیں سو وقت کمال ضرورت تو وہی وقت ہے جب کہ عالم اسباب

سراسر خراب اور برباد ہو جائے کوئی حیلہ وو سیلہ اور سبب اور ذریعہ کمائی کا باقی نہ رہے اس وقت نہ کوئی حیلہ ہوگا نہ کوئی سامان فقط خدا کی رحمت یا ظاہر میں اپنے حقوق ہوں گے۔

اور سنئے نشوونما اگر کار قوت نامیہ ہے تو تصویر یعنی مناسب حال نامیات یعنی وہ اجسام جن میں بڑھنے کی صلاحیت ہے ۔ صورت و شکل کا بنا دینا قوت مصورہ کا کام ہے مگر چونکہ غذا کا انجام ایک صورت ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوت مصورہ منجملہ خدام قوت نامیہ ہے جیسے حیوانات میں قوت نامیہ منجملہ خدام حیات ہے ادھر عالم کو دیکھا تو فانی صورت سے نہیں اور جس صورت کو دیکھا وہ ایک وصف اور ایک معنی کو آغوش میں لئے ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر وصف اور ہر معنی ایک صورت قابل ظہور عالم شہادت جسے عالم محسوسات کہے رکھتا ہے چنانچہ خاک کو دیکھا وہ حقیقت میں صورت ست یعنی خشکی ہے اور پانی کو دیکھا تو وہ صورت معانی مجمعہ ہے اسلئے اس میں بھی بہت سی صورتوں سے ترکیب ہے یعنی روح انسانی مثلاً قوت باصرہ قوت سامعہ وغیرہ قویٰ کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ سب اوصاف اور معانی ہیں انکے مقابل میں جو شکل عطا ہوئی تو بہت سے اعضاء مختلفہ کی ترکیب کے بعد پیدا ہوئی ہے جس کا حاصل وہ صورت مرکبہ ہے مگر پھر دیکھا تو وہ معانی اور اوصاف جو معانی اور اوصاف ہنوز ان کو عطا نہیں ہوا اسلئے حکم قوت نامیہ عالم یہ ضرور ہے کہ جیسے کبوتر و مرغ وغیرہ طیور کی مجامعت اور شہوت سے جو منجملہ معانی اور اوصاف میں بیضہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس بیضہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور انجام کار کہاں سے کہاں نوبت پہنچتی ہے اور یہ سب نشوونما اور تصویر یعنی قوت نامیہ مصورہ کی کارپردازی ہوتی ہے ایسے ہی وہ معانی غیر متشکلہ ظہور میں آئیں اور صورت دکھلائی کیونکہ یہ یقینی ہے کہ یہ عالم بالضرور اصل قوت نامیہ کی کارپردازی کا ظہور ہے اس لئے قوت مصورہ بالضرور منجملہ خدام قوت نامیہ ہے سو حیوانات اور نباتات میں اگر کچھ قوت نامیہ کا ظہور ہے تو وہ ایسا ہے جیسا نور آفتاب زمینوں اور ذروں اور روشندانوں میں ظہور کرتا ہے غرض جیسے یہاں جو کچھ ہے وہ اصل کا پرتو ہے جس کو آفتاب کہے۔ ایسے ہی عالم میں جہاں کہیں قوت نامیہ ہے وہ اس اصل کا ظہور ہے جس کو قوت نامیہ

عالم کہیے مگر جب بعض معانی اور اوصاف کو دیکھا کہ ہنوز متشکل نہیں ہوئے چنانچہ تمام افعال اختیاری اور انکی بھلائی اور برائی وغیرہ کو ہنوز یہ خلعت عطا نہیں ہوا تو یوں معلوم ہوا کہ ہنوز یہ عالم مثل بیضہ کبوتر ہے تفصیل اسکی یوں ہے کہ بیضہ اگرچہ خود شہوت طرفین اور مجامعت فریقین کی ایک صورت ہے اور منجملہ معانی اوصاف ہے مگر اسکے اندر جو مکنونہ یعنی پوشیدہ معانی ہیں انکو ہنوز صورت نہیں ملی سو جب بیضہ کا بچہ بن گیا تو یہ معلوم ہوا کہ اس میں کس قدر قوتیں مکنون تھیں جنکا ظہور اب ہوا ہے ورنہ پہلے سے اتنا تو جانتے تھے کہ یہ بیضہ دونوں نر و مادہ کی تمام قوتوں کا اجمال ہے اسلئے وقت تفصیل یہ ضروری ہے کہ حاصل ترکیب و حاصل اجتماع جملہ قوائے طرفین کے موافق اسکو صورت عنایت ہو مگر جو قصہ یہاں ہے وہی قصہ بہ نسبت عالم اجسام نظر آتا ہے یہ قوت عملیہ عالم بالا کا اجمال ہے یہی وجہ ہے کہ ہنوز تمام معانی کی صورتیں نہیں ملیں۔ الحاصل علم خداوندی اور تمام سامان قدرت خداوندی کا اس عالم کو اجمال کہے اور کیونکر نہ کہے تفصیل ہوتی تو تمام معانی متشکل ہوتے یہ ضرور ہے کہ جیسے بزور قوت نامیہ و قوت مصورہ مادہ بیضوی کی صورت منقلب ہو کر صورت بیضہ پاش پاش ہو جاتی ہے ایسا ہی بزور قوت نامیہ و قوت مصورہ یہ شکل عالم پاش پاش ہو کر مادہ عالم کو اور شکل عطا ہو۔

اور سنئے حکام دنیا کا یہ دستور ہے کہ جس شہر یا قصبہ والے باغی ہو جاتے ہیں اور راہ پر نہیں تو انکو سزائے سخت پہنچاتے ہیں یعنی انکو قتل کرتے ہیں یا دائم الحبس یعنی عمر قید کرتے ہیں اور اس شہر کو جلا پھونک کر خاک سیاہ کر دیتے ہیں اور عمارات کو توڑ پھوڑ مسمار کر کے اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ جرم بغاوت سے بڑھکر کوئی جرم نہیں اسکے مناسب یہی ہے کہ وہ سزا دی جائے جس سے بڑھ کر کوئی سزا نہ ہو مگر غور سے دیکھیں تو بنی آدم رعیت خداوندی اور یہ زمین و آسمان ان کے رہنے کا مکان۔ کیونکہ انہیں کیلئے بنایا گیا ہے پھر ان کا یہ حال کہ بالاتفاق تمام عالم میں تمرد اور سرکشی روز افزوں ہے اگر راہ پر چند روز کیلئے آگئے تو وہ ایسا ہے جیسا چراغ مردہ سنبھالا لے لیتا ہے اس لئے یوں یقین ہے کہ ایک نہ ایک روز یہ بغاوت عالمگیر ہو جائے

اور کیوں نہ ہو بنائے بغاوت خواہش پر ہے اور وہ عارضی ہے یہی وجہ ہوئی کہ ہمیشہ اطاعت کیلئے کتابیں اور پیغمبر بھیجے گئے ثواب و عذاب کے وعدے کئے گئے تمرد اور سرکشی کیلئے ان میں سے کچھ نہیں ہوا اسلئے یہ ضرور ہے کہ ایک روز کفر عالم میں چھا جائے اور تمام عالم باغی ہو جائے اسوقت بمقتضائے قہاری خداوندی یہ ضرور ہے کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیں اور تمام بنی آدم کو گرفتار کر کے انکو انکی شان کے مناسب جزا و سزا دیں۔ (قاسمؒ نانوتوی)۔

حقیقت مکافات اعمال یعنی انسان کو نیکی پر اجر ثواب اور بدی کرنے پر عذاب ملنے کی وجہ

: (۱) انسان کیلئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اسکو کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہور ہے اور محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اسکو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے اور بسا اوقات ایک شخص بدی کر کے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گویا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بہت بیجا کیا اور اس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کو ملک اور بدی کی قوت کو شیطان سے موسوم کیا ہے اور جو نیکی کا القاء کرتا ہے اسکا نام فرشتہ رکھا ہے اور جو بدی کا القاء کرتا ہے اسکا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے۔

یہ دونوں قوتیں انسان میں موجود ہیں اور ان دونوں کی حالتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے اور انکے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی حکمت یہ ہے تاکہ انسان اپنے نیک اعمال سے اجر پانے کا

مستحق ٹھہر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی کہ وہ بہر حال نیک کام کا ایک ذرہ بھی اسکو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا لیکن اس حالت میں کہ اس کی فطرت دو کششوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے اور یہی حال بدی کے بدلہ ملنے کا ہے یعنی جس قوت کا مطیع ہوتا ہے اس کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔ان **کان خیر افجزأہ خیر وان کان شر افجزاء ہ شر.**

(۲)انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی دراصل عذاب کی جڑ ہیں اور وہی درحقیقت خداتعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہو جائیں گی (مگر چونکہ حق تعالیٰ کو ہر ایک کا انجام معلوم ہے اس لئے اس نے پہلے سے سب سامان مہیا کر رکھا ہے اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انہیں بد اعتقادیوں اور بد عملیوں سے آگ کے شعلے نکالے گی اور وہی آگ بد اعتقادوں اور بد کاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں مل کر اس کو بھسم کر دیتی ہیں اسی طرح پر غضب الٰہی کی آگ بد اعتقادی اور بد عملی کی آگ سے بھڑکتی ہے سو جو لوگ ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو سچی خداشناسی کی وجہ سے انکے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک چھوٹے خیال پر بھروسہ کر کے دلیری سے گناہ کرتے ہیں انکو علم ہی نہیں کہ دراصل ہر انسان کے اندر دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا چشمہ فرد ہو جانے سے خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے لیکن یہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے جب تک انسان حقیقی طور پر اسلام میں داخل نہ ہو اور اسکے پاک علم سے فیض نہ اٹھاوے جو کہ آسمانی علوم کو لیکر آیا ہے

(۳)اجزاء سزائے انسانی کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ صورت نوعیہ کا اقتضاء ہے جیسا کہ چارپائے جب گھاس چرتے ہیں اور درندے جب گوشت کھاتے ہیں تو ان کا مزاج صحیح وسالم رہتا ہے اور جب چارپائے گھاس کے بجائے گوشت کا استعمال کرتے اور درندے بجائے گوشت کے

گھاس کھاتے ہیں تو ان کا اصلی مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا ہے جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جن کی روح میں بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیاز مندی کا اثر ہوتا ہے تو اس انسان میں پاکیزگی اور فیاضی وعدالت کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اسکی ملکی وروحانی مزاج درست ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جنکی روح ان امور کے بر خلاف ہوتی ہے تو اسکی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے اور جب وہ اس جہان سے انتقال کرتا ہے تو اسی حالت کے موافق اس سے معاملہ ہوتا ہے۔

حقیقت بہشت دوزخ : اس میں کلام نہیں کہ ہر قسم کی چیزوں کا لذت دار ہوں یا بے لذت ہوں لذت اور تکلیف دونوں ہی سے خمیر ہے۔ تو اس صورت میں انکے اجزاء کا شیرازہ بھی جدا جدا کر کے اپنی اپنی جگہ پہنچائیں گے مگر یہ تقسیم رنج وراحت بھی اسی تقسیم نیکی وبدی میں داخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کی۔ تو انکی اصل کے بھی دو مقام ہوں گے جن کو بہشت ودوزخ کہہ کے تعبیر کیا ہے اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کی ہر قسم کی لذتیں اگرچہ عورتوں سے صحبت کرنا ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں۔ ہاں زیادہ ہو تو کچھ عیب نہیں اور علیٰ ہذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں موجود ہوں۔ البتہ اگر ان سے زیادہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں دوسرے وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں گو یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کے ہمرنگ ہوں پھر یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کو وہاں کی لذتوں اور کلفتوں سے کچھ نسبت نہ ہوگی کیونکہ یہاں کی لذتیں نہ خالص لذتیں ہیں نہ یہاں کی تکلیفیں خالص تکلیفیں ہیں اور اس تقریر سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں خالص لذتیں اور خالص تکلیفیں ہوں۔ بہر حال بہشت و دوزخ جن جن مکانوں کو کہتے ہیں انکا ہونا بجا و درست ہے۔

جواب اس سوال کا کہ دوزخ و بہشت کا مقام کہاں ہے : یہ سوال از روئے عقل قابل استماع نہیں موجود ہونے کیلئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہوا کرے خود اس زمین میں ہزار ہا مقامات اور اشیاء ایسی ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں پس اگر زمین و آسمان کے اندر ہو اور ہم کو

معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے اور اگر زمین و آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہے عقلاً تو دونوں امر ممکن تھے مگر نصوص سے باہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب اس سوال کا کہ نعمائے جنت دنیاوی نعمتوں کی طرح ہونگے : اس سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ کا کلام پاک یوں وارد ہے۔ **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** ترجمہ : یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اسکے لئے مخفی ہیں اور ان نعمتوں کے بارے میں حدیث نبوی میں یہ بھی لکھا ہے **اعدت لعبادہ الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا حظر علی قلب بشر.** یعنی نیک بندوں کیلئے میں نے وہ نعمتیں آخرت میں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل پر اس کا خیال گزرا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور انکو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا چنانچہ آیت اول کی شرح میں ہمارے سید نا و مولانا نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں گزریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گزرتی ہیں پس جب کہ خدا تعالیٰ اور اسکا رسول ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہو تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا ہی کا دودھ ہوگا۔ جو گایوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے۔ کیا ایسے خیالات

اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کے بولنے سے دفع تعجب : اس نئے آلہ گراموفون کا ایجاد ہونا اس استبعاد کے دفع کے لئے کافی ہے۔

التماس ۔ یہاں تک لکھنے کے بعد بعضی متفرق تحریرات مختلف مضامین پر پہلے سے اپنے پاس رکھی یاد آئیں جن میں خاص خاص امور پر عقلی گفتگو کی گئی ہے تو ان تحریرات کو بھی بطور ضمائم اس مجموعہ کا جزو بنا دینا مناسب معلوم ہوا۔

ضمیمہ نمبر ۱

منقول از پرچہ علی گڑھ منتہلی بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء جلد سوم صفحہ ۱۴۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مسلمانان عالم کیلئے سال شمسی موزوں ہو سکتا ہے ؟ : فی الحقیقت جس قدر سائنٹیفک یعنی سائنسی معلومات کو ترقی ہوتی جائیگی اور جس قدر کہ حقائق عالم کا انکشاف زیادہ ہوگا اسی قدر اسلامی اصولوں کی صداقت کے متعلق تائید حاصل ہوتی جائے گی۔ بظاہر شمسی سال میں تعیین اوقات کی ایسی خوبی موجود ہے کہ اسکا دنیاوی امور کے لئے مفید ہونا بلا حجت تسلیم کیا جا سکتا ہے اور چونکہ کرہ زمین کی مداری حرکت کو جو ۳۶۵ دن اور چند گھنٹوں اور منٹوں میں اور اپنے مرکز کے گرد ختم کر لیتی ہے پورے بارہ حصوں یا بالفاظ دیگر مہینوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور پھر گھنٹوں کی کسرات کو چوتھے سال اور منٹوں کی کسرات کو ہر چوتھی صدی میں سال کبیسہ بنا کر پورا کر لیتے ہیں اس لئے جو موسم ہر ملک میں جس مہینے کے لئے مختص ہے اسمیں تفاوت نہیں ہوتا اور ہمیشہ مہینوں کے نام ہی بتلا دیتے ہیں کہ آیا ان ایام میں دور دورہ گرمی یا جاڑہ کا ہے یا عمل و دخل بہار

اور خزاں کا بر خلاف اسکے سال قمری میں مہینوں کے ساتھ ساتھ نہ تعین موسم ہے نہ باقاعدہ سالانہ اوقات کی تقسیم کیونکہ آج اگر ماہ صفر المظفر میں موسم گرما کا آغاز ہے تو اس سے نویں سال اس نام کے قمری مہینے میں کڑکڑاتا جاڑا پڑا ہوگا کیونکہ نو سال بعد بجائے اپریل کے صفر کا مہینہ جنوری سے مطابقت پائے گا وجہ اسکی یہ ہے کہ چاند زمین کے گرد ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۲۲ منٹ ۶'۸ سکنڈ میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ چار قرض آفتاب کے محاذ آکر جب دوسری مرتبہ اسی نقطہ واپس آتا ہے تو اس کو ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۲۴ منٹ ۶'۸ سکنڈ صرف کرنا ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ رویت ہلال کبھی ۲۹ روز اور کبھی ۳۰ روز میں ہوتی ہے اور اسی کا نام قمری مہینہ ہے انکے اعتبار سے قمری سال تقریباً ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور اس لئے سال شمسی سے بقدر دس یوم تخمینی کم ہے یہی کمی ہر چوتھے سال یعنی تین برس کے ختم ہونے پر ہندوستان میں ایک لوند کا مہینہ اضافہ کر دینے سے پوری کر لی جاتی ہے حالانکہ اسلامی سال قمری میں کبھی کمی بیشی نہیں کی جاتی اور اس لئے ہمیشہ ہر سال دس اور کبھی گیارہ روز کی کمی سے مہینوں اور موسموں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ظاہری نقص اسلامی سال قمری کا در حقیقت عیب ہے یا ثواب بظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ سال شمسی میں تغیر اور تبدل موسم وقت معینہ پر ہونے پر زراعت اور تجارت میں کافی امداد ملتی ہے اور وقت پر کاشت وغیرہ کا انتظام کر لیا جاتا ہے لیکن دراصل زراعت کے لئے مہینوں کا جاننا کوئی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار موسم کے تغیر پر منحصر ہے مثلاً ہندوستان میں جولائی کا مہینہ آجانا اس لئے کافی نہیں ہو سکتا کہ کاشتکار لوگ تخم ریزی شروع کر دیں بلکہ اس کے لئے بارش کا ہونا لازمی ہے چنانچہ ادھر بارش شروع ہوئی قلبہ یعنی ہل چلانا رانی کا کام جاری ہو گیا اگر بارش نہ ہو تو جولائی اور اگست سب مئی اور جون کے برابر ہیں۔ اسی طرح ایام بارش ختم ہونے کے بعد جب رت بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور سردی کا آغاز ہر عالم اور جاہل کو یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے تو لوگ سرمائی انتظام میں مصروف ہو جاتے ہیں

اور کاشتکار لوگ فصل ربیع کے بونے میں ساعی ہوتے ہیں اور ان کو اس امر کے جاننے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی کہ اس مہینے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں اور ایران میں اس کا کیا نام ہے۔

الحاصل جو خوبی بظاہر سال شمسی میں نظر آتی ہے اس پر کاروبار دنیاوی کا انحصار نہیں ہے بلکہ تغیر موسم پر ہے پھر اس قدر ضرورت بھی صرف ہندوستان میں محسوس ہوتی ہے جہاں تین موسم مقرر ہیں حالانکہ تمام دیگر ممالک میں بارش کے اوقات عموماً غیر معین ہیں کہیں تو بارش ہوتی ہی نہیں اور کسی ملک میں ہوتی ہے تو کوئی دن خالی نہیں جاتا اس لئے ظاہر ہے کہ سال شمسی کا وجود جس قدر کہ انضباط اوقات کیلئے ضروری ہے اس قدر لوازم زندگی کیلئے لابد نہیں اور اگرچہ چند پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے اسکے فوائد مان لئے جائیں تو سب سے مشکل یہ امر پیش آتا ہے کہ تمام عالم کے مہذب اور غیر مہذب عالم اور جاہل ذکور اور اناث کے لئے کون ذریعہ ہے کہ جس سے وہ صحیح حساب تحویلات شمسی کا کریں اور اگر ایک مہینے کی ایام شماری میں غلطی پڑ جائے تو کس قدرتی علامت سے وہ اپنی تاریخوں کو صحیح رکھ سکیں غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ جب تک مصنوعی ذرائع مثل جنتری وغیرہ کے نہ حاصل ہوں یا ہر ملک و قوم میں چند منجم اور جوتشی نہ ہوں جن پر جنتری کا مدار ہو اس وقت تک عوام کیلئے کوئی فطرتی اور قدرتی ذریعہ نہیں ہے کہ سال شمسی کا اجرا ہو سکے چنانچہ باوجود علم و فضل کے ہندوستان کے قدیم علماء نے بھی اگرچہ سال شمسی بنایا کیونکہ ہندوستان میں بالخصوص فصول ثلاثہ کے باعث اسکی ضرورت تھی لیکن ذریعہ حساب لگانے کا چاند ہی کو قرار دیا اور اس کے دور کی کمی کو ہر تین برس میں ایک مہینہ اضافہ کر کے رفع کر دیا لیکن اسلام نے جو تمام عالم کیلئے یونیورسل ریلیجن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لوند کے مہینے کو بڑھانے کی ممانعت فرمادی اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس امتناع کی فلاسفی آج جغرافی معلومات نے نہایت خوبصورتی سے بتلا رہی ہے اور سال قمری سے ہر مسلمان کو خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ ہندوستان کے سرسبز میدان میں ہو یا عرب اور صحرائے اعظم افریقہ کے لق و دق ریگستان میں ہلال دیکھ کر اپنے مہینے کا حساب لگانے کا طریقہ ایسا سہل بتلا دیا ہے کہ اسکو اس معاملہ میں نہ پنڈت جی سے

پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ جنتری کو الٹ پلٹ کرنے کی بلکہ اکثر اسکو جنتریوں کے مصنوعی حساب کے دعوے پر جو رویت ہلال سے متعلق ہوتے ہیں خندہ زنی کا موقع ملتا ہے اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ لوازمات زندگی میں سے جن کیلئے تعین اوقات کی ضرورت ہے زراعت تجارت اور ملازمت کے علاوہ عبادت بھی ایک لازمہ بشریت ہے جسکو ہر طبقہ اور ملت کے آدمیوں نے انسان کی پہلی ضرورت بتلایا ہے اور عبادت کیلئے ہر مذہب میں اوقات معین ہیں اور ان میں اور ان روزانہ بھی ہیں اور سالانہ بھی چنانچہ سالانہ اوقات مقررہ میں سے دو اس وجہ کی عبادت ہیں جو ارکان اسلام میں داخل ہیں یعنی روزہ اور حج روزے کے لئے ایک مہینہ مقرر ہے اور حج کے لئے بھی ایک دن خاص کر دیا گیا ہے غالباً اس لئے کہ یونیفارمٹی موافقت رہے یا کوئی اور مصلحت مالک حقیقی کے علم میں ہو بہر حال تعین وقت کسی نہ کسی صورت ہر ایک دنیا کے مذہب اور طریق عبادت میں موجود ہے پس جائے غور ہے کہ اگر ماہ صیام کیلئے بلحاظ سال شمسی ٹھنڈے اور چھوٹے دن مثلاً دسمبر یا جنوری منتخب کئے جاتے ہیں یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے تو اسلام پر صاف یہ اعتراض وارد ہوتا کہ سہولت کیلئے کیا اچھے دن چھانٹے ہیں اور اگر اس لحاظ سے ہمیشہ کیلئے اپریل سے لے کر اگست تک کے کوئی تیس روز پسند کر لئے جاتے تو ان ایام کی ناقابل برداشت سختیوں سے کبھی نہ کبھی اہل مذہب کے دل میں یہ کھٹکا گذرتا کہ دینداری کیسی سخت اور مشکل کر دی گئی ہے کہ روزے کے ایام ہمیشہ کے لئے ایسے وقت میں کر دیئے ہیں کہ آسمان جلتا ہے اور زمین تپتی ہے غرض سال شمسی کے لحاظ سے حج اور ماہ صیام کا تقرر کبھی خالی از اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن یہانتک جو وجوہ سال قمری کی فوقیت کے ہیں وہ معلومات قدیم کی بنا پر ہیں لیکن مجھے یہ دکھلانا ہے کہ جدید جغرافی معلومات نے اس مسئلہ پر کہاں تک روشنی ڈالی ہے چنانچہ اس علم کے ماہرین بخوبی واقف ہیں کہ خط استواء کے لحاظ سے زمین کی تقسیم نصف کرہ شمالی اور نصف کرہ جنوبی میں ہوتی ہے اور چونکہ آفتاب چھ مہینے شمال میں اور چھ مہینے جنوب میں خط استواء کے رہتا ہے اسلئے دونوں کروں میں ایک ہی وقت میں موسم برعکس رہتا ہے یعنی اگر نصف کرہ شمالی میں گرمی ہے تو جنوبی میں جاڑا

گویا جون کا مہینہ یورپ ایشیا شمالی امریکہ شمالی افریقہ میں سخت گرمی کا ہوتا ہے تو جنوبی افریقہ جنوبی امریکہ اور اسٹریلیا میں کڑاکے کے جاڑے کا ہوتا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اگر سال شمسی کے حساب سے کوئی مہینہ مقرر ہوتا تو آدھی دنیا ہمیشہ تکلیف میں رہتی اور دوسری نصف آرام میں۔ کیونکہ موسم کے ساتھ طوالت لیل و نہار میں بھی تفاوت ہے یعنی موسم گرما میں آباد حصہ دنیا میں ۱۲ گھنٹے سے لے کر ۲۰ گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے اور بر خلاف اسکے موسم سرما میں ۱۲ گھنٹے سے لیکر ۱۴ گھنٹے تک کا دن رہ جاتا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر جون کا مہینہ ماہ صیام ہوتا تو نصف کرہ شمالی کے باشندوں کو علاوہ تپش و حرارت اور تشنگی کی شدت برداشت کرنے کے چودہ اٹھارہ اور بیس گھنٹے تک روزہ رکھنا پڑتا اور کرہ جنوبی میں باوجود سردی کے چھ یا آٹھ گھنٹے تک عیش و لذت دنیاوی ترک کرنا کافی ہوتا اور یہی ایک مسلہ ثابت کر دیتا کہ نعوذ باللہ جس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے وہ خود کرہ زمین کی ساخت اور اس پر موسموں کی کیفیات اور تغیرات سے ناواقف ہے اور وہ مذہب جس میں ایسا قاعدہ ہو ایک لوکل یا مختص المقام مذہب ہے نہ کہ یونیورسل یعنی عالمگیر اس اشکال کو سال قمری ہی نے طے کیا ہے اس کے مہینے چھتیس برس تک ہر شمسی موسم کے حصہ میں سے گزرتے ہیں اور اگر ایک زمانہ عبادت گرمیوں میں آتا ہے تو چند سال بعد خزاں میں اور پھر بہار میں چنانچہ ہر ۳۶ سال کی مدت میں نصف کرہ شمالی اور نیز جنوبی میں ماہ صیام ہر موسم کے ہر حصے میں گزر کر ایک ایسی عدل کی صورت پیدا کرتا ہے جس سے صاف روشن ہے کہ دین اسلام جس ذات کے نزدیک دین حق ہے وہ ذات پاک ہے جس کو حکیم مطلق اور خداوند برحق کہتے ہیں جو مالک اور صانع ہر شے کا ہے اور جو تمام امور عالم سے بخوبی واقف ہے اور ایسا اصول صرف اس حکیم و علیم کی آسمانی مدد سے قائم ہو سکتا ہے جو اس زمین کا پیدا کرنے والا اور صانع ہے ورنہ جس زمانہ میں دین اسلام چمکا ہے اسوقت نہ جنوبی امریکہ معلوم تھی نہ ٹرنسوال اور آسٹریلیا کا وجود تھا نہ نصف کرہ شمالی و جنوبی میں اختلاف موسم کی بحث درپیش تھی علیٰ ہذا القیاس ایام حج بھی ایک موسم پر منحصر نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ ہر موسم میں آتے رہنے سے حجاج کو ہر موسم میں سفر کرنے کا موقع مل سکتا ہے

پس وجوہات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم کے لئے پورے عدل کے ساتھ سال قمری ہی موزوں ہو سکتا ہے نہ کہ سال شمسی فقط۔

ضمیمہ نمبر ۲

منقول از مشیر مراد آباد ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء

لا تغلق باب التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها

حدیث صحیح میں سے ایک حدیث ہے جس کے بامحاورہ معنی یہ ہیں کہ جب تک آفتاب اپنی جائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اس وقت تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہو گا یعنی ہر گنہگار کی توبہ اسوقت تک قبول ہو جاوے گی جب تک آفتاب اپنی جائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اور جب ایسا ہو جائے گا۔ تو پھر باب توبہ بند ہو جاوے گا۔ اور کسی کی توبہ قبول نہ ہو گی یہ ایک ایسی حدیث ہے کہ نہ تو جس کی صحت میں شک ہو سکتا ہے اور نہ یہ اپنے میں پوشیدہ طور پر کوئی ایسے معنی رکھتی ہے کہ جو کچھ سہولت پیدا کریں اب وہ موقع ہے کہ جس کو بجز ایک کٹے اسلامی آدمی کے ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان اور آزاد طبع شخص چاہے وہ فلسفہ سے کچھ نسبت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور خواہ سائنس کے نام کے سوا اور کچھ بھی نہ جانتا ہو یقیناً یہ کہہ اٹھے گا کہ (معاذاللہ نقل کفر کفر نباشد) جی لاحول ولا یہ کیسی الٹی منطق ہے اور یہ کیسی اسلامی پیشین گوئی ہے اور کس طرح اسلامی فلاسفر اور علماء ریاضی دان اس پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ تو عقل ہی اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ مشاہدہ ہی اس حساب کو درست ثابت کرتا ہے اور ہمارے آریہ بھائی اگر کہیں اس حدیث کو سن پاویں گے تو جھٹ سے قانون قدرت کا اڑبنگہ اڑا کر اپنی دہریت الگ الاپنے لگیں گے ادھر مسائل ہیت کے تھوڑے سے جاننے والے بھی کہنا شروع کر دیں گے کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے کیا معنی بھلا کیا مغرب کسی خاص شہر کا نام ہے روزانہ کا مشاہدہ اور تجربہ تو ہم کو بتلا رہا ہے کہ ہر ملک کا مشرق اور مغرب جداگانہ ہے اور روزانہ ہر ایک جگہ کا نقطہ مشرق و نقطہ مغرب بدلتا رہتا ہے تو پھر

وہ کون سا مغرب ہے جس سے قیامت کے دن آفتاب طلوع کرے گا اور اگر ہر روز کا نقطہ مشرق نقطہ مغرب ہو کر طلوع آفتاب ہونے پر قیامت ہونا مانا جائے تو چھ ماہ تک ہر درجہ کے باشندوں کے واسطے جداگانہ قیامتیں ہوتے ہوتے (۱۸۰) روز میں (۱۸۰) قیامتیں ہوں گی بہر حال یہ اور اسی قسم کے صدہا اعتراضات آج کل کے آزادی پسند اصحاب مخبر صادق علیہ التحیات کی اس سچی پیشین گوئی پر کرنے کو تیار ہو جاویں گے اور علوم جدیدہ کے شیدائی تو ممکن ہی نہیں ان مسائل پر جو قطعی اور یقینی طور پر نہ ثابت ہو جاویں بلکہ تحقیقات جدیدہ سے عین الیقین کے درجہ پر نہ پہنچ جاویں اعتبار کریں ان کو وحی آسمانی پر ہی اعتبار نہیں بلکہ ہم لوگوں کو (جو ایسے مسائل کو اپنا جزو ایمان، سمجھتے ہیں) تو آزادی پسند احباب اوہام پرست یا مذہبی ڈھکوسلوں کا پابند کہتے ہیں اور خواہ ان میں سے بعض حضرات اپنے ہمجنسوں کے خیال عزیز و اقارب و بزرگوں کے لحاظ سے صاف الفاظ میں کبھی مذہبی مسئلہ کی نفی نہ کریں اور اسکی تحقیر و تذلیل پر علی الاعلان آمادہ نہ ہو جاویں مگر بالیقین وہ اپنے دل میں تو ایسے مسائل کو ڈھکوسلا ہی خیال کرتے ہیں ایسی صورت میں سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانہ خود ہی اچھے متکلمین پیدا کرے جو اسلامی مسائل کے ساتھ ہی علوم جدیدہ کے بھی ماہر ہوں اور وہ اسی طرح اسلامی کا نظائق موجودہ فلسفہ سے کریں جس طرح امام غزالی و امام رازیؒ وغیرہ نے قدیم فلسفہ کو مذہب کے مطابق کر کے اس کو مذہب کے تابع کر دیا

اوہو! میں اپنے اصل مطلب سے کس قدر دور نکل گیا کیونکہ میرا مدعا طلوع آفتاب از مغرب ممکن بلکہ لازم ثابت کرنا تھا اور یہاں میں کچھ اور ہی بیان کرنے لگا۔ سنئے جناب! اگرچہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا بظاہر نہایت کٹھن اور سخت بعید از قیاس ہے جو ظاہراً محض ہماری خوش عقیدتی پر محمول کیا جا سکتا ہے مگر حضرت خواہ اور مسائل میں تحقیقات جدیدہ ہماری مذہبی طور پر مخالفت کرے اور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے واسطے تیار ہو جاوے مگر اس مسئلہ میں تو جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" کے مصداق تحقیقات جدید ہی ہمارا ہاتھ بٹاتی ہے اور وہ ہی رہنمائی کر کے ہم کو اتنی جرأت دلاتی ہے کہ ہم طلوع آفتاب از مغرب ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری

اور لازمی ثابت کرنے کو تیار ہیں اور وہ اس طرح کہ اگرچہ یہ مسلم امر ہے کہ مشرق و مغرب محض فرض اور نسبتی نام ہیں نہ کچھ اور کیونکہ جائے طلوع آفتاب کو مشرق اور جائے غروب آفتاب کو مغرب کہتے ہیں اور سال بھر نت نیا مشرق و مغرب ہوتا رہتا ہے جس کی ابتدا اول سرطان سے اور انتہا آخر قوس تک ہوتی ہے یعنی ۲۵۔ جون سے ۲۵ دسمبر تک (۵۲) دن میں ہر روز نیا مشرق اور نیا مغرب قدرت نے بنایا ہے بموجب عرض بلد کے پھر چونکہ آفتاب اپنی شعاؤں سے ۹۰ درجہ مشرق اور ۹۰ درجہ مغرب کو کسرے زائد روشن کرتا ہے اس سبب سے روزانہ نقطہ مشرق بعینہ مغرب ان لوگوں کا ہے جو ہم سے بارہ ہزار میل یورپ میں آباد ہیں یہ اختلاف مشرق و مغرب بموجب طول بلد کے ہے یہ تو اس قادر مطلق کی روزانہ کی قدرت نمائی ہے لیکن جس مغرب سے ہم کو بحث کرنا ہے حقیقتاً یہ وہ مغرب نہیں ہے اور ممکن ہے کہ بعض احباب اس مثال کو نہ مانیں کہ اس سے ہمارا مدعا ثابت نہ ہو الہٰذا اسکو ہم اپنی ہی حالت پر چھوڑتے ہیں اور اس صحیح مغرب کو آپ بتلاتے ہیں جسکی بات مخبر صادق علیہ التحیات والسلام نے پیشین گوئی فرمائی ہے مجھے ان احباب سے کوئی بحث نہیں جو خلقت عالم ہی کے قائل نہیں ہیں اور جنکا خیال ہے کہ یہ عالم اچانک اور اتفاقیہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ان کے اس خیال باطل کی تردید ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور ایسے منکرین دو ہریوں کی قلعی تحقیقات جدیدہ خود ہی کھولتی جاتی ہے لیکن وہ شخص جو آفتاب کو قدیم بالذات نہیں مانتا بلکہ مخلوق اور احادیث جانتا ہے اسکو یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ سب سے اول روز یعنی عین وقت پیدائش آفتاب نے کسی ایک نقطہ سے طلوع کیا ہوگا پس سب سے پہلے آفتاب نے جس نقطہ سے طلوع کر کے اپنی شعاؤں سے سطح زمین کو روشن کیا وہی نقطہ مشرق حقیقی آفتاب کا ہے اور عدل فی القسمۃ کی رو سے چونکہ دن اور رات کو مساوی زمانہ ملنا چاہئے یعنی رات دن میں سے ہر ایک پورے بارہ گھنٹے کا ہونا چاہیے جیسا کہ سال میں دوبار ۲۱ مارچ و ۲۳ ستمبر کو ہوتا ہے اور ان دونوں تاریخوں کو اکثر بلاد معمورہ میں دن رات مساوی طور پر پورے ۱۲۔ ۱۲ گھنٹے کے بعد جس نقطہ پر آفتاب آیا ہوگا وہی حقیقی مغرب اس کا ہے جس کا علم خداوند عالم کو ہے کہ آفتاب کا اصلی مغرب یہی

ہے اب قابل ملاحظہ یہ امر ہے حدیث مقدس میں بھی من مغربھا ارشاد ہو ا یعنی اپنی جائے مغروب سے نہ کہ یوں فرمایا گیا ہو کہ من مغربکم یعنی تمہارے مغرب سے اس اپنے مغرب اور تمہارے مغرب نے صاف کر دیا کہ حقیقاً ہمارا مغرب تو محض فرضی اور نسبتی ہے اس وجہ سے کہ اس عالم علم لدنی علیہ التحیات والثنا کے علم میں یہ امر اس وقت موجود تھا کہ ہر طبقہ کے رہنے والے مسلمانوں کا مغرب جداگانہ ہے لہذا مغرب کی اضافت اسی آفتاب کی طرف فرمائی گئی جس سے مراد اصلی یہ ہے کہ جس روز آفتاب کو موجود کر کے خلاق عالم نے پہلا مطلع اور مشرق بنایا تھا اسی اعتبار سے پہلا مغرب جس نقطہ پر ہے بروز قیامت آفتاب اسی نقطہ سے طلوع کرے گا اور دنیا الٹ پلٹ ہو کر مشرق کا مغرب اور مغرب کا مشرق ہو جانا بھی ہو سکتا ہے یوم تبدل الارض غیر الارض (اسی روز کے بعد یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی) یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ حقیقی مشرق و مغرب آفتاب کا کوئی ایک خدا کے علم میں ہے لیکن یہ بات ابھی باقی ہے کہ طلوع آفتاب مغرب سے کیونکر ہو گا اور یہی ذرا ٹیڑھی کھیر ہے جس کا یقین سخت مشکل ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ تحقیقات جدیدہ نے اس معمہ کو بھی حل کر دیا اور آج سے ساڑھے چار سو برس قبل سے اس کا پتہ چلنا ہم کو شروع ہو گیا ہے کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ساڑھے چار سو سال ہوئے کہ ہم کو ایک ایسا پتھر دستیاب کرا دیا جس سے ہم نے قطب نما بنایا اور اسی پتھر کے ذریعہ سے خط شمالی قائم ہو گیا بعدہ اسی خط پر دوسرے خط مارنے سے چاروں سمتیں صحیح طور پر قائم ہوئیں اسی کا صدقہ تھا جس کے ذریعہ سے کلمبس نے علم جہاز رانی میں یہ ترقی دکھلائی اب آپ اگر لندن و پیرس کی رصد گاہوں میں چل کر موجودہ زمانہ کے ہیت دانوں سے دریافت فرمایئے تو وہ آپ کو حال کی تحقیق اور اس وقت کے مشاہدہ و تجربہ سے بتلا دیں گے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مشرق کو ہٹی جاتی ہے۔ تحقیقات جدیدہ کی برکت سے یہ بات آج ہم کو معلوم ہوئی ہے کہ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب سے مشرق کو ہٹ رہی ہے یعنی نقطہ شمال جو آج سے ساڑھے چار سو سال قبل تھا وہی شمال نقطہ کچھ صدیوں بعد نقطہ مغرب بنجاوے گا جب ایسا ہو گا تو لازمی امر ہے کہ نقطہ مغرب نقطہ جنوب اور نقطہ

مغرب نقطہ جنوب اور نقطہ جنوب نقطہ مشرق بجائے پس یہی مطلب اس حدیث مقدس کا ہے کہ خدائے قادر مطلقہ البروج کو معتدل النہار پر منطبق کر کے پچھم کو پورب بناوے گا آج ساڑھے چار سو سال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نقطہ شمالی مغرب کو ہٹتا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے کا علم صرف اس علام الغیوب کو ہی ہے کہ مشرق حقیقی آفتاب کا کونسا نقطہ ہے اور اسکو اب کتنا زمانہ حقیقی مغرب والے نقطہ پر پہنچنے میں باقی ہے۔ اگر لندن و پیرس کی رصد گاہیں اور وہاں کے ہیئت رواں ہم کو یہ نہ بتلاتے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مغرب کی جانب آہستہ آہستہ رواں ہے تو کبھی یہ معمہ حل نہ ہوتا اور ہمارے زمانہ کے مذہب سے لاپرواہ نوجوان کسی طرح اعتبار نہ لاتے کہ یہ حدیث مقدس صحیح ہے ادھر آریہ حضرات قہقہ اڑاتے کہ وہ اچھی تعلیم اسلام کی ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ اسے جدید تحقیقات نے جو مخالفین مذہب کا بڑا زبردست آلہ ہے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر دیا۔

نوٹ از احقر: لیکن بعض روایات میں جو اس طلوع کی کیفیت آئی ہے اور یہ کہ پھر بدستور مشرق سے نکلنے لگے گا یہ توجیہ اس پر منطبق نہیں ہوتی یہ روایات میری تفسیر میں نقل کی گئی ہیں مگر تاہم اگر کوئی شخص بدون اس توجیہ کے اسکو نہ سمجھ سکے اور وہ اتنے ہی جز کو مان لے کہ طلوع شمس مغرب سے ہوگا کہ یہ جزو احادیث کثیرہ میں وارد ہے اور اسکی کیفیت کی روایات کو جو کہ اس درجہ کی نہیں ہے حجت نہ سمجھے تو جزو اول کے انکار سے تو غنیمت ہے ورنہ اصل جواب یہ ہے کہ جس نے ریاضی کے یہ مستمر قاعدے بنائے ہیں وہ انکو جب چاہے ایک دن کیلئے یا ہمیشہ کیلئے بدل بھی سکتا ہے اور **لن تجد لسنة الله تبديلا** سے اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس تبدیل کا فاعل غیر اللہ ہے کہ وہ اللہ کی سنت کو نہیں بدل سکتا فقط۔

ضمیمہ نمبر ۳

منقول از مکتوب خبرت بابت ۱۳۳۴ھ ہجری مرقومہ احقر

(یہ ایک رسالہ ہے جس میں اعمال کی پیشی ووزن پر اس شبہ کا کہ وہ عرض ہیں اور وزن کے لئے جوہریت

شرط ہے عقلی جواب ہے)

(ارضی الاقوال فی عرض الاعمال من مقال العارف الجلال.

یعنی خلاصہ مضمون اشعار ذیل واقعہ دفتر دوم سرخی قسم غلام در صدق و وفائے یار خود اخ جن کا زیادہ حصہ مشتمل ہے بحث نقل اعمال دنیویہ اے صور ہا الخاصۃ الاخرویہ پر:

شاہ گفت اکنوں از آن خود بگو — چند گوئی آن این و آن او'

تو چہ داری و چہ داری کردہ — از تگ دریا چہ در آوردۂ

روز مرگ ایں حسن تو باطل شود — نور جاں داری کہ یار دل شود

در لحد کیں چشم را خاک آگند' — ہست آنچہ گور را روشن کند

نور دل از جان بود اے یار غار — مستعار آں رامداں اے مست یار

آں زماں کیں دست پائت بر درد — پرد بالت ہست تا جان بر پرد

آں زمان کیں جان حیوانی نماند — جاں باقی بایدت بر جان نشاند

شرط من جابا لحسن نے کردن است — بل حسن را سوئے حضرت بردان است

جوہرے داری از انسان یا خری — ایں غرضہا کہ فنا شد چوں بری

ایں عرض ہا نماز و روزہ را — چونکہ لا یبقی زمانین انتفا

نقل نتواں کرد مر اعراض را — لیک از جوہر برند امراض را

تا مبدل گشت جوہر زین عرض — چوں ز پرہیزی کہ زائل شد مرض

گشت پرہیز عرض جوہر بجہد — شد دہان تلخ از پرہیز شہد

از زراعت خاکہا شد سنبلہ — دارو ئے موکرد مورا سلسلہ

آں نکاح زن عرض بد شد فنا — جوہر فرزند حاصل شد زما

جفت کردن اسپ و اشتر را عرض — جوہر کرہ بزائیدن غرض'

ہست آں بستاں نشاندن ہم عرض — گشت جوہر میوہ اش اینک غرض

ہم عرض داں کیمیا بردن بکار — جوہری راح کیمیا گر شد بیار

صیقلی کردن عرض باشد تنا — زیں عرض جوہر ہمی زاید صفا

پس بگو کہ من عملہا کردہ ام — دخل آں اعراض راہنما مرم
ایں صفت کردن عرض باشد خمش — سایۂ بزداپنے قربان مکش
گفت شاہا ایے قنوط عقل نیست — گر تو فرمائی عرض رانقل نیست
بادشاہا جز کہ پاس بندہ نیست — ہر عرض کاں رفت باز آئندہ نیست
گر نبودے مر عرض رانقل وحشر — فعل بودی باطل واقوال فشر
ایں عرضہا نقل شد لون وگر — حشر ہر فانی بود کون دگر
نقل ہر چیزے بود ہم لائقش — لائق گلہ بود سائقش
وقت محشر ہر عرض راصورتیست — صورت ہر ایک عرض رانو بتیست
بنگر اندر خود کہ تو بودی عرض — جنبش جفتی وجفتی باغرض
بنگر اندر خانہ وکاشانہا — در مہندس بود چوں افسانہا
کاں فلاں خانہ کہ مادیدیم خوش — بود موزوں سفۂ وسقف ودرش
از مہندس آں عرض واندیشہا — آلت آور دوستون از بیشہا
چیست اصل ومایۂ ہر پیشۂ — جز خیال وجز عرض واندیشۂ
جملہ اجزائے جہاں رابے غرض — درنگر حاصل نہ شد جزاز عرض
اول فکر آمد آخر در عمل — بنیت عالم خیال داں درلذل
میوہا در فکر دل اول بود — در عمل ظاہر بآخرمی شود
چوں عمل کردی شجر نبشادی — اندر آخر حرف اول خواندی
گرچہ شاخ وبرگ وبخش اولاست — آں ہمہ از بہر میوہ مرسل است
پس سرے کہ مغز آں افلاک بود — اندر آخر خواجہ لولاک بود
نقل اعراض ست ایں بحث ومقال — نقل اعراض است ایں شیر وشغال
جملہ عالم خود عرض بودند تا — اندریں معنی بیا مدہل اتی
ایں عرضہا ازچہ زائید از صور — وایں صور ہم ازچہ زائید از فکر

ایں جہاں یک فکر تست از عقل کل — عقل چوں شاہ است وفکر تہا رسل
عالم اول جہان امتحان — عالم ثانی جزائے دین وآں
چاکرت شاہا خیانت می کند — آں عرض زنجیر دزندان می شود
بندہ ات چوں خدمت شائستہ کرد — آں عرض نے خلقی شد در نبرد
ایں عرض باجوہر آں بیضہ است وطیر — ایں ازاں وآں ازیں زائد بہ سیر

یعنی بادشاہ نے بغرض امتحان اس غلام کے اس سے سوال کیا اور امتحان کا قرینہ یہ ہے کہ آخر قصہ سے کہ بادشاہ نے دونوں غلاموں کے افعال سے استدلال کیا ان کے اخلاق پر اور حسن السیرۃ کو اسکے اخلاق ذمیمہ کے سبب باوجود اس کی قبح صورت کے مخذول کیا اور یہ استدلال اور اسکے مقتضا کا امتثال یہ کام عارف ہی کا ہے پس عارف کا سوال ظاہر ہے کہ امتحان ہی کے سبب ہوگا۔ وصرح بکونہ امتحاناً بعض المحشین علی قولہ گفت ۔ عبارۃ الحاشیہ چوں شاہ اختیار اور کرد معلوم کرد کہ او عالم السرت الخ ۱۳۔ شاھنشہ الخ الواقع بعد الاشار المذکورۃ متصلاً ویدل علیہ قولہ بنفسہ حق یمن بنمود وقولہ تو نہ شانی وہ کہ من دانم تمام الواقع بعدھا غیر متصل. اور وہ سوال یہ ہے کہ تو اپنا تو کچھ حال بیان کر کہ تو نے اپنی روح کے حسن کرنے کی کیا کوشش کی ہے اور اسکی ضرورت بطور خطاب کے ایک آیہ سے بطور تفسیر خاص بیان کی کہ حق تعالیٰ نے من جاء بالحسنۃ فرمایا ہے من عمل الحسنۃ میں فرمایا جس سے اقرب یہ ہے کہ یہ حسنہ عمل نہیں بلکہ مصدر عمل یعنی روح انسانی ہے جسکو اعمال سے حسن بنا کر درگاہ حق میں لانا چاہیے کیونکہ آوردن کا متعلق جوہر ہو سکتا ہے نہ کہ عرض کیونکہ العرض لایبقی فی آمین پھر آوردن اسکے متعلق کیسے ہوگا نیز الاغراض لا تنتقل من محل الی محل اور آوردن ایک نقل ہے البتہ اغراض یعنی اعمال مکمل یعنی جوہر اس روح کے ہو سکتے ہیں واوردلہ امثلہ من قولہ چوں زپرہیز سے الیٰ قولہ صیقلی کردن الخ غلام نے جواب دیا کہ تم جو عدم نقل اعراض سے استدلال کرتے ہو یہ استدلال نا تمام ہے جو یہ مقدمہ ہی ثابت نہیں پس نقل

ممکن ہے گو عدم انتقال بھی ممکن ہے مگر ان دونوں ممکنوں میں نقل اولیٰ بالقول ہے کیونکہ عدم نقل کا قائل ہونا مصلحت عامہ کے کہ وہ جب سنیں گے کہ ہمارے اعمال آخرت میں نہ جائیں گے کم فہمی سے مایوس ہو جاویں گے اور عمل میں سستی کریں گے جسطرح بعض احادیث مبشرہ کو اسی سستی کی مصلحت سے چندے ظاہر نہیں کیا گیا آگے بیان ہے اعراض کے امکان نقلی کا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں اصلی جواب تو اسی قدر ہے باقی اسکی توضیح ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ نقل اعمال میں عقلی اشکال صرف یہ ہے کہ یہ نقل اعراض یعنی اعمال من الدنیا الی الاخرہ گو تبعاً للموضوع تو ظاہر الجواز ہے لیکن جس طرح نصوص سے ثابت ہے کہ مثلاً ان کا وزن کیا جاوے گا اور ظاہر ان نصوص سے یہ ہے کہ عامل کا وزن نہ ہوگا۔ پس یہ نقل تبعاً للموضوع نہیں ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں یا تو وہ اعراض اعراض رہیں گے یا مستحیل الی الجواہر ہو جاویں گے دونوں شق باطل ہیں اول اس لئے کہ نقل اعراض بلا موضوع محال ہے دوسرا اسلئے کہ عرض کا جوہر بنجانا محال ہے پس یہ ہے اس میں اشکال عقلی سو اس کا جواب باختیار شق ثانی ہو سکتا ہے اور ہم اسکا استحالہ نہیں مانتے۔ سند منع یہ ہے کہ ہم خود دنیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ اختلاف موطن سے ایک ہی چیز عرض و جوہر ہو سکتی ہے مثلاً صورت عقلیہ جواہر کی کہ ذہن میں عرض ہے کیونکہ موجود فی موضوع ہے اور خارج میں جوہر۔ کیونکہ موجود لافی موضوع ہے اور دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ بعض ہی کے نزدیک سہی جو کہ قائل ہیں حصول اشیاء فی الذہن بانفسہا کے اور گو بعض نے عرض و جوہر کی تفسیر میں اذا وحدت فی الخارج کی قید لگا کر اس صورت ذہنیہ پر عرض پر صادق آنے سے انکار کیا ہے مگر اس سے ہمارے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا کیونکہ قول حصول اشیاء بانفسہا پر حقیقۃً واحدہ ہی کا وجود فی موضوع فی موطن اور وجود لافی موضوع فی موطن تو ثابت ہوا اور یہی اصل مقصود ہے۔ خواہ اس کا نام کچھ ہی رکھ لیا جاوے پس جو نسبت ذہن کو خارج کے ساتھ ہے اگر وہی نسبت خارج دنیا کو خارج آخرت کے ساتھ ہو اور اس وجہ سے یہاں جو اشیاء موجود فی موضوع ہیں وہ وہاں موجود لافی موضوع ہو جاویں تو اس میں کیا استحالہ

ہے چنانچہ اہل کشف نے اس عالم شہادت پر مقابلہ عالم غیب کے لفظ خیال وغیرہ کا اطلاق کیا بھی ہے ایسی اشیاء کا اس عالم غیب میں وجود لافی موضوع ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کقولہ علیہ السلام لما خلق اللہ الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من القطعية اور بہت نصوص سے اس عالم کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کقولہ'

علیہ السلام ان البقرة وال عمران تاتيان يوم القيامة كانهما غما متان او غياتيان او فوقان من طير وكقوله عليه السلام يوتى بالدنيا يوم القيمة فى صورة عجوز شمطاع. چنانچہ اسی تمثل خاص کے اعتبار سے اس عالم کا لقب' اصطلاح میں عالم مثال رکھا گیا ہے کماذکرہ الشاہ ولی اللہؒ فی الحجتہ البالغہ ورد فیہ احادیث کثیرہ اور مولانا جلال الدین المحقق الدوانی نے اپنے رسالہ زورا اور اس کے حواشی میں اسکی تصریح بھی کردی ہے عبارتہا۔

(تنبیہ) كانك فيما قرع سمعك من هذا لمقدمات اطلعت على حقيقة الانطباق بين العوالم على حقيقه العوالم بل انكشف عليك اسرار غامضة . فى حقيقة المبداء والمعاد وتيسر عليك مشاهدة الواحدة الحقيقى فى الكثرات من غير شوب ممازجة ولا انفصال وتسلفت به الى حقائق ما ابناء عندلسان النبوات من ظهور الاخلاق والاعمال فى المواطن المعادية بصور الاجساد وكيفية وزن الاعمال وسرحشر الافراد بصور الاخلاق الغالبة عليهم واطلعت على سر قوله تعالىٰ وان جهنم لمحيطة بالكٰفرين وقوله تعالىٰ ان الذين يا كلون اموال اليتامىٰ ظلماً انما يا كلون فى بطونهم نارًا وقول الخاتم الفاتح عليه و علىٰ اله افضل الصلوٰة والتحيه الذين يشربون فى انية الذهب والفضة انما يجرجونى بطونهم نار جهنم وقوله عليه الصلوٰة والسلام ان الجنة قيعان وان عزابها سبحان الله ونحمده الىٰ غير ذلك من

عوامض الحکم والاسرار الا لیهة وعلمت ان جمیع ذلك علی الحقیقة لا علی المجاز والتاویل کماانتهی الیه نظر بعض الوافلین فی الفحص عن الحقائق بطریق البحث فانه تصور ظاهراً کما لا یخفی (شک و تحقیق) لعنت تقول کیف یکون العرض بعینه هوا لجواهر وکیف یکون العین والمعنی واحدً والحال ان الحقائق متخالفة بذ وانها منقول قد لرحنا الیك ان الحقیقة غیر الصورة فانها فی حده اتها وصواقة عاریته عن حمیع الصور التی تبخلی بها لکنها تظهر فی صورة تارةوفی غیرها اخری والصورتان متغا یراتان قطعا لکن الحقیقة المتجلیة فی الصور تین بحسب اختلاف المومنین شئ واحد.

(تشبیه) ما اشبه ذالك بما یقوله اصل الحکمة النظریة ان الجواهر باعتبار وجودها فی الذهن اعراض قائمة به محتاجة الیه ثم هی فی الخارج قائمٔة بانفسها مستغنیه عن غیرها فاذا اعتقدت ان حقیقته تظهر فی موطن بصورة عرفیه محتاجة فی اخربصورة مستغنیٔه مستقلة فاجعل ذالك تانیساً لك لکسر به صولة بنو طبعك عنه فی بد والنظر حق یاتیك الیقین وتتصعد الافق المبین. انتهی بقدر الضرورة.

پس اس تقریر سے جواب ہو گیا استدلال علی امتناع نقل الاعمان بامتناع نقل الاعراض کا اور اسی سے مستدل کی دوسری دلیل عقلی یعنی عدم بقاء اعراض اور دلیل نقلی یعنی من جاء بالحسنة الایۃ کا جواب بھی مستفاد ہو گیا کہ بلسان غلام اس سے بوجہ ظہور کے تعرض نہیں کیا گیا عدم بقاء اعراض کا تو جواب یہ ہوا کہ اگر یہ عدم بقامان لیا جائے گو اس پر کوئی دلیل صحیح قوی قائم نہیں ہوئی مگر ماننے کی تقدیر پر وہ عدم بقاء در صورت عرض کے عرص ہونے کے ہے اور اگر بجر وصدور دوسرے عالم میں بصورت جوہر یہ منتقل ہو جاوے تو پھر بقاء میں کیا امتناع ہے اور استدلال بالآیۃ کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر مان بھی لی جاوے تو جب یہ عمل بھی جوہر بن گیا تو وہ مجی بہ اس پر بھی

مثل روح حسن کے صادق آتا ہے۔

یہ تقریر ان اشعار تک کی ہے وقت محشر ہر عرض را صورتے ست الخ آگے تنویر دعویٰ امکان مذکور کیلئے چند امثلہ اشیاء جوہریہ متصورہ فی الذہن کی ہیں جو ذہن میں فی موضوع اور خارج میں لافی موضوع ہیں اس شعر تک ؎ گرچہ شاخ وبرگ بخش الخ اور پھر مضمون مذکور پر ایک نظیر کی تفریح بطور جملہ معترضہ کے ہے گووہ اس کی مثال نہیں پس سرے کہ مغز الخ آگے شعر نقل اعراض الخ میں یہ بیان کیا ہے کہ غرض موجود فی مرتبۃ العلم جس طرح کبھی خارج میں جوہر ہو جاتا ہے کماذکر اسی طرح کبھی عرض بھی رہتا ہے چنانچہ یہ بحث ومقال کہ پہلے سے ذہن میں تھا اور عرض تھا بعد نقل کے خارج میں بھی عرض ہی رہا اور دوسرے مصرعہ میں پھر ایک نظیر عرض فی مرتبۃ العلم کی جوہریت فی الخارج کی بیان کی نقل اعراض است ایں شیر وشغال۔ اور نظیر اس لئے کہا گیا کہ مراد اس مصرعہ میں وجود فی مرتبۃ العلم الالٰہی ہے اور وہ غرض ہونے سے منزہ ہے لتنزہ عن الامکان اسی طرح اسکے بعد کے شعر جملہ عالم خود عرض بود ندالخ میں اسی مرتبہ علم الٰہی میں تمام عالم کے کالعرض ہونے کو بتلایا پس یہ بھی نظیر ہے آگے شعر ایں عرضہا از چہ زائید میں اختلاف موطن سے جواہر کا عرض ہونا اور عرض کا جواہر ہونا بتلاتے ہیں اس طرح سے کہ اعراض موجودہ فی الدنیا عالم مثال میں صور جوہریہ تھے وہو معنی قولہ ایں عرضہا از چہ زائید از صور کماذکرتہ قبل عن الشیخ ولی اللہؒ اور صور جوہریہ موجود فی الدنیا علم الٰہی میں کالعرض تھے وہو معنی قولہ دین صور ہم از چہ زائید از فکر اور شعر ایں جہاں یک فکر تست اسی مصرعہ ثانیہ کی شرح ہے اور یہ احکام مذکورہ فی الاشعار القریبہ وجود قبل عالم الدنیا کے متعلق تھے۔ آگے وجود بعد الدنیا کے یہی احکام کہ اس میں سے اعظم عرض کا جوہر ہونا ہے مذکور ہیں اس شعر میں اول الیٰ قولہ بندہ ات اور اسکے اعظم ہونے کے، سبب یہاں ذکر میں اس کی تخصیص کی گئی آگے تمام مقام کا خلاصہ کہ کبھی جوہر سے عرض اور کبھی عرض سے جوہر ظاہر ہوتا ہے اس شعر میں فرماتے ہیں ایں عرض باجوہر الخ

تہذیب المقام و تقریب المرام الیٰ عامۃ الافہام : اگر انصاف سے غور کیا جاوے تو عرض کا جوہر ہو جانا جسکا کہ تقریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے اس سے زیادہ بعید نہیں ہے کہ جوہر عرض ہو جاوے اور حصول الجواہر فی الاذہان میں شب و روز اس کے وقوع کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اسکا وقوع کیا مستبعد ہے سو یہاں حصول فی الذہن کے وقت جواہر سے لباس مادے کی متملع ہو کر وہ موجود فی موضوع ہو جاتا ہے وہاں وزن وغیرہ کے وقت عرض پر مادہ ملبوس ہو کر وہ موجد لافی موضوع ہو جاوے تو اس میں کیا عجب اور بعد ہے اور راز اس میں یہ کہا جاوے گا کہ جوہریت اور عرضیت ذاتیات سے نہیں ہیں منجملہ کیفیات ظہور حقیقت کے ہیں اور حکماء کا مقولات عشرہ کو اجناس عالیہ ماننا نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ بداہب اسکی مسلم ہے خاص کر جب کہ ان کے اکابر خود اسکی تصریح کرتے ہیں کہ عرض عام اور جنس میں اسی طرح خاصہ اور فصل میں فرق کرنا بہت دشوار ہے۔ کما لاح لک شئ من ذلک ممانقلتہ من الزور اُو نیز بعض محشین مثنوی نے اس کی اس طرح تصریح کی ہے۔ تحقیق مقام آن ست کہ' جوہریت و عرضیت از ذاتیات حقائق نیست۔

اور مولانا بحر العلوم نے بھی اپنے حواشی میں اسکی تائید کی ہے اور یہ سوال کہ عرض کا جوہر ہونا کسی طرح اسکو عقل قبول نہیں کرتی دوسرے سوال سے معارض ہے کہ جوہر کا عرض ہو جانا باوجود روز و شب کے وقوع کے آج تک عقل اسکی کنہ کو نہیں سمجھ سکی واللہ مجھ کو تو جب اس میں غور کرتا ہوں حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی اس قیام الصورۃ بالذہن و اتصاف الذہن بالصورۃ کی کیا حقیقت ہے اور کیا کیفیت ہے اور اس حال و محل یعنی صورت و ذہن میں کیا علاقہ ہو جاتا ہے اور اس حلول سے ذہن میں کیا تاثر ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت موجودہ فی الاعیان میں تجرد عن المواد کا کیسے تغیر ہو جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر شب و روز کے وقوع سے اس حیرت کی طرف التفات نہیں ہوتا گو کیفیت و حقیقت نہ جاننے کا اعتراف سب کو ہے چنانچہ آج تک یہ طے نہ

ہو سکا کہ علم کون سے مقولے سے ہے اور اسکا عکس یعنی عرض کا جوہر بننا چونکہ نشاۃ دنیویہ میں ایسے بین طور پر جس میں کسی تاویل وعذر کی گنجائش نہ رہے نہیں دیکھا جاتا اس لئے حیرۃ کی طرف التفات ہوتا ہے ورنہ حقیقت کی مجہولیت میں دونوں یکساں ہیں۔

(تقویت) مولانا نے ایک مقام پر اس مضمون کو اس سے زیادہ صریح عنوان سے ذکر فرمایا ہے۔(منقولا من جزاء الاعمال)۔

چوں سجودی بار کوعی مرد گشت — شد ور آں عالم سجود او بہشت
چونکہ پرید از دہانت حمد حق — مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد و تسبیحت نماند مرغ را — ہمچو نطفہ مرغ باداست وہوا
چوں ز دستت رفت ایثار وزکوۃ — گشت ایں دست آنطرف نخل نبات
آب خیرت آبجوئے خلد شد — جوئے شیر خلد مہر تست ودو
ذوق طاعت گشت جوئی انگبین — مستی وشوق تو جوئی خمر بین
ایں سبہا آں اثرہا نماند — کس نداند چونش جائے آں نشاند
ایں سیبہا چوں بفرمان تو بود — چار چو ہم مرترا فرماں نمود
ہر طرف خواہی روانش می کنی — آں صفت چوں بد چنانش میکنی
چوں منی تست کہ در فرمان تست — نسل تو درامر تو آئندہ چست
می دود در امر تو فرزند تو — کہ منم جزوت کہ کردیش گرد
آں صفت درامر تو بود ایں جہاں — ہم درامر تست آں جو ہارواں
آں درختاں مرترا فرماں برند — کاں درختاں از صفاتت بابرند
چوں بامر تست اینجا ایں صفات — پس درامر تست آنجا آں جزات
چوں ز دستت زخم بر مظلوم رست — آں درختے گشت ازاں رقوم رست

چوں ز خشم آتش تو در و لہا زدی مایہ ناز جہنم آمدی
آتشت اینجا چوں مردم سوز بود آنچہ از وے زاد مرد افروز بود
آتش تو قصد مردم می کند ناز کز وے زاد بر مردم زند
آں سخنہائے چو مارد کژ و مت مارد گژدم گشت دمی گیر دومت

(توجیہ آخر)۔ اگر باوجود اس قدر بسط وایضاح کے اب بھی کسی کی عقل اس جوہریت اعراض کو قبول نہ کرے تو وہ نقل اعمال کی دوسری توجیہ اس طرح سے سمجھ لے کہ یہ اعمال گو ظاہراً اعراض ہیں مگر واقع میں وہ جواہر ہیں جیسے اور بھی بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کو بہت عقلانے اعراض سمجھا مگر دوسرے عقلاء نے ان کے جوہر ہونے کا دعویٰ کیا۔ جیسے قدماء میں کیفیت شم میں اختلاف ہے کہ آیا ہوا کیفیت مشموم سے متکیف ہو کر شامہ کی مدرک ہوتی ہے یا مشموم ہے کچھ اجزاء منفصل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں یا اب متاخرین میں بعض فلاسفر نے نور شمس وغیرہ کو جس کو اب تک عرض کہا جاتا تھا۔ جوہر مانا ہے۔

پس اسی طرح ممکن ہے کہ جب آدمی سے کوئی طاعت یا معصیت صادر ہوتی ہو فوراً اس عامل سے کچھ اجزاء جوہریہ غیر مبصرہ للعامہ طیبہ یا خبیثہ حاملہ لکیفیۃ العمل منفصل ہو کر دوسرے کسی عالم میں کسی طریق سے منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ وہاں بصور مناسبہ محفوظ رہتے ہوں اور قیامت میں وہی معروض اور موزوں ہو جاویں اور بعض اہل کشف سے جو منقول ہے کہ انہوں نے غسلخانہ میں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ان قطرات میں مجھ کو زنا کا نقشہ نظر آتا ہے۔ سو عجب نہیں کہ اس میں پانی میں ان ہی اجزاء میں سے بعض اجزاء موجود ہوں اور وہ ہیئت ثانیہ ان اجزاء میں حال ہو اور اسی طرح انکو مکشوف ہو گئے ہوں اور میں نے اپنے استاد علیہ الرحمتہ سے قولہ تعالیٰ ووجد واما عملوا حاضرا کی تفسیر میں سنا ہے کہ ہر عمل کی ہیئت بھی قیامت میں نظر آوے گی۔ مثلاً چور چوری کرتا ہوا نظر آوے گا زانی زنا کرتا ہوا سو عجب نہیں

کہ وہی اجزاء اس ہیئت سے نظر آویں اور ان اجزاء کی شکل عامل کی سی ہو اور اہل محشر کے بصر میں خاصیت خردبین کی پیدا ہو جاوے کہ وہ اجزاء خوب بڑے بڑے ہو کر اس عامل کے برابر جثہ میں نظر آوے واللہ! علم اور اس توجیہ کی بناپر مولانا کے کلام میں انکو اعراض سے تعبیر کرنا باعتبار زعم اہل ظاہر کے ہوگا۔

(افادہ) چونکہ یہ کیفیت عرض اعمال کی یعنی ان کا صور جوہریہ میں اوفق بظواہر الکتاب والسنۃ ہے اس لئے اس قول کو ارضی الاقوال کہا گیا جیسا رسالہ کا تسمیہ اس پر دال ہے۔ وللہ الحمد علی ماعلم وافھم.

ضمیمہ نمبر ۴

محاسن اسلام و قرآن کے متعلق غیر قوموں کی شہادتیں

جو اس مصرعہ کے مصداق ہیں الفضل ماشھدت بہ الاعداء

(الف) منقول از اخبار وکیل ۱۸ء جون ۱۹۱۳ء

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت: جرمنی کے مشہور علمی رسالہ "دی ہائف" میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ جوایکم دی یولف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت پر ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ دین اسلام کے اصول و عقائد و قواعد کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی مانند ظاہر ہو جاتی ہے کہ موجودہ مسلمان انکی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی الوالعزم روح پردہ غیب سے شہود میں آئے جو ان کو از سر نو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ انکی قوت کا طرہ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ سہی اخلاقی اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن سکتے ہیں مجھے اس وقت

اسلام کی سیاسی اہمیت سے سروکار نہیں بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یورپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو ان احکام و قوانین سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن کریم نے حفظان صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کئے ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتب سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے اگر ہم شاندار مگر سادہ واجبات و فرائض حفظان صحت پر نظر کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس امر پر غور کریں کہ ان کی پابندی کرنے والوں کو جنت الفردوس کے مستحق قرار دینے میں اس کی کیا حکمت ہے تو ہم پر روشن ہو جائے گا کہ اگر یہ صحیفہ آسمانی اور کلام زبانی ساکنان ایشیا کہ نہ ملتا تو ایشیاء کا سادا با آفرین خطہ زمین یورپ کے حق میں اور بھی بلا خیز ہو گیا ہوتا۔ اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاکبازی کی صاف و صریح ہدایات کو نافذ کر کے جرائم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچا دیا ہے غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا ناک کے اندرونی گرد و غبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے حضرت محمد ﷺ نے لحم خنزیر میں اور بعضے ممنوع جانوروں کے اندر امراض ہیضہ وٹان فالین وغیرہ کا خطرہ دریافت کر لیا تھا حیوانات کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارع اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور اہم ہے گرمی اور حدت جانوروں کے خون میں مواد فاسد پیدا کرتی اور ہزارہا ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسل انسانی کے سم قاتل کا حکم رکھی ہے ایسے بیمار جانوروں کے جراثیم پیدا کر دیتا ہے اس لئے ذبح کرنے کے عمل میں جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہونا لازمی ہے غسل اور وضو سے جو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظ صحت کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری اہم اور قابل قدر شرط ورزش

جسمانی کی ہے یہ شرط نہایت آسانی کے ساتھ ادائے نماز سے پوری ہوتی ہے۔

نماز میں قیام ورکوع وقعود و سجود کی حرکات اعلیٰ حکمت عملی اور تدبر پر مبنی ہیں۔ اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لئے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں ایشیاء کے گرم ملک میں انسانی جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دیگر اعضاء ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا نامناسب فربہی کی مضرتوں کو دور کر دیتا ہے اسلام میں تعداد ازدواج کی اجازت قوم کی کمی نسل کی ناقابل تلافی نقصان سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک بے نظیر اصول ہے جس کی ہمیں تہ دل سے قدر کرنی چاہیے یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اگر بوقت ضرورت اس کی پیروی کی جائے تو اس سے سلسلہ توالد و تناسل میں خلل انداز ہونے والے امراض پیدا نہیں ہونے پاتے آپ ایشیاء میں عمر رسیدہ دوشیزہ لڑکیاں بہت کم پائیں گے جو زیادہ عمر تک شادی نہ ہونے کے سبب ہسٹریا کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوں منشیات و مسکرات کو حرام قرار دینا اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کے بار گراں سے انسان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا اور ہم مدیان تہذیب و تمدن یعنی اقوام یورپ کو اس بارہ میں مسلمانوں پر حسد کرنا لازم ہے حیات مستعار کو ایک بے حقیقت سمجھنا اور جان کی مطلق پروانہ کرنا جس کے ساتھ ایک قادر مطلق ہستی کا پختہ اعتقاد بھی شامل ہے اور مزید براں حفظ صحت کے قدرتی و فطرتی اصول و قوانین جن میں انسانی فکر و تدبر کو کچھ بھی دخل نہ ہو۔ یہ تمام باتیں جسم انسانی کی طاقتوں اور قوتوں کو مدت دراز تک صحیح وسالم و مضبوط و مستحکم رکھنے کے لئے نہایت موثر اور یقینی وسائل ہیں۔

باایں ہمہ اگر ایشیاء بعض خصائص ہیں ہم پر بمراتب فوقیت رکھنے کے باوجود اکثر امور میں ہم اہل یورپ سے بہت پس ماندہ ہے تو اس کے خاص وجوہ ہیں منجملہ ان کے ایک امر میں مختلف قوموں کا باہمی اختلاط بھی ہے جن میں سے اکثر کو سلام کے ساتھ موہوم سا تعلق ہے اور رایک قصہ یہ بھی ہے کہ خالص عربی النسل مسلمانوں کی سوسائٹی مین دوسرے قوموں کی عورتوں کا عقد نکاح کے ذریعہ سے داخل ہو جانا اُنکی [illegible] جتماعیہ کے فساد کا موجب ہوا ہے اور یہ قانون قدرت ہے کہ

کامل چیز وہی ہے جو خالص بھی ہو۔ بہر حال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر من الشمس ہے بالخصوص اختلاط اجناس واقوام کے لحاظ سے اس کے اصول اور بھی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں اس موقع پر یہ سوال قدرۃً دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں میں اسلام عملی صورت میں آجکل کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اسکی بگڑی ہوئی ہیئت نے اپنے پیروں کو تنزل اور ضلالت وجہالت کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ہونا چاہیے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جواب مسلمان کہلاتی ہے کیا حشر ہو سکتا تھا اور ان ہی قوموں پر کیا منحصر ہے ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی آئیں احسان مندی کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم وفنون نے ہمارے علوم وفنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں اگر عربوں نے فلسفہ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکتہ الآراء تالیفات وتصانیف وطنی زبان میں ترجمہ ہو کر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفہ کی اصل یونانی کتابوں کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اسکا علم کیونکر ہو سکتا چند سو سال قبل ہی کا زمانہ لیجئے یورپ کے تشنگان علوم کا چشمہ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دارالعلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جب کہ اسلام روبہ تنزل ہے ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ فقط۔

(ب) منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹۔ مارچ ۱۹۱۷ء ج ۶۔

پیغمبر اسلام سے ایک جرمنی ڈاکٹر کی عقیدت : جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار الصحت میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو اسکو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کے لئے تیر بہدف علاج ہونا دریافت ہو گیا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد ﷺ کی خاص طور پر قدر و منزلت کرتا ہوں اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو انہیں کے مبارک قول کی شمع نور نے روشنی دکھائی میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے یہ حدیث دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ محمد (ﷺ) جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان میں فضول گوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے۔ اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا۔ اخیر میں نوشادر کے تجربہ کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مٹی سے برتن دھونے کی رغبت کیوں دلائی اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا اس لئے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے برتنوں کی صفائی کیلئے بہترین ذریعہ صفائی تھا اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حدیث الحمی من فیح جھنم فاطفراحرھا بالماء پر اطباء ہنسا کرتے تھے حالانکہ آپ کی غرض اس ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آب سرد سے کرو چنانچہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی ہی نہیں ہے بلکہ برقاب ہے غرض کہ آنحضرت ﷺ کی بہت سی حدیثیں فن طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔ میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش آدم سے اب تک کوئی طبیب و حکیم دنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔

اللھم صلی علیٰ محمدٍ وعلیٰ ال محمد وبارك وسلم

(ج) منقول از اخبار وحدت ۲۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۱ ج ۲۔

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور اہل علم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنہوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا اپنے ایک مضمون میں جو "لابارول فرانسس رومان" میں شائع ہوا تھا ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جولبات دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہو سکتی ہے جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ مولف) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے جس نے چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے (پیام آمین)

(د) منقول از اخبار وحدت ۸۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

مسٹر آرنلڈ ہانٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے۔

"وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط سے سیکھتے ہیں (نصف یورپ ایک یہودی یعنی جناب مسیح اور بقیہ نصف ایک یہودن یعنی جناب مریم کی پرستش کرتا ہے) ہمیں بنی نوع انسان کیساتھ انسانیت سے پیش آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا احترام کرنا سکھاتے ہیں لیکن قرآن نے جس کو ایک ساربان کے فرزند نے لکھا مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی بلکہ پرائیویٹ زندگی میں ہمدردی، خیرات، فیاضی، شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق پڑھایا۔

(ہ) منقول از اخبار وحدت ۸۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

بابا نانک نے لکھا ہے کہ توریت 'زبور' انجیل۔ ترے پڑھ سن ڈٹھے وید۔ رہی قرآن کتاب کل جگ میں پروار (جنم ساکھی کلاں ۷ ۱۴) توریت 'زبور' انجیل اور وید وغیرہ تمام پڑھ کر دیکھ لئے قرآن شریف ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی) رہی کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن (اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی ملاقات سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے قرآن شریف ہی ہے)

(و) منقول از اخبار وحدت ۸۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

پروفیسر اڈورڈ جی ایم اے ایم بی نے اپنی تالیفات دوائے لٹریری ہسٹری آف پرشیاء (تاریخ ادبیات ایران) میں ژند اوستا اور قرآن پر غور کرتا اور اسکے مفہوم و معانی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے لیکن ژند و ستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اسکو علم الاوثان یا تحقیقی لشانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لئے پڑھا جائے طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔

(ز) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ صفحہ ۹۹ میں لکھا ہے۔ قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں۔ مظاہر قدرت تاریخ الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا ہے) بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

(ح) منقول از اخبار وحدت ۸۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۱۲۔

ڈاکٹر کنین آئزک لیٹر نے ۱۸۷۷ء میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر کی تھی جو اسی زمانہ میں لندن ٹائمز میں شائع ہوئی تھی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو اور صفائی سے رہو جو حکم دیتا ہے کہ استقلال و استقامت لازمی فرض ہے۔ بے شبہ دین اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں اور اسکی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھلاتی ہے۔

(ط) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

"ہربرٹ لکچرز" میں یہ فقرات موجود ہیں۔ اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم وانجام دہی کی زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل واعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی فسیس کی ہدایتیں بھی انکا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(ی) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

مسٹر وڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔ لکھتا ہے جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ اسکی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی۔ متحیر بنا دیتی اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین واغراض کے عفیف عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین کی غایت ورفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پر زور اثر دکھاتی رہے گی۔

تمت

رساله بتما مها تمت الجلد الثالث الذی بتمامه ثم اصل الکتاب و نحمده الله الذی عنده ام الکتاب والله عنده حسن الثواب وزمان الختام. اول شهر الله محرم الحرام ۱۳۳۵ ه سید الانام صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ اله العظام والصحابةؓ الکرام مدی اللیالی والایام. ابدًا ابدًا لا انقضاء ولا انصرام. فقط۔